(درسی سوالاً جواباً)

الاتقان فی علوم القرآن

جلال الدین سیوطی (المتوفی:911)

مرتب

مفتی شہزاد احمد سجاد

پرنسپل جامعہ حسینیہ

الاتقان

فی علوم القرآن

امام جلال الدین سیوطی (متوفی 911ھ)

الاتقان فی علوم القرآن

مصنف۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔علامہ سعد الدین تفتازانی

مرتب۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔مفتی شہزاد احمد سجاد (پرنسپل جامعہ حسینیہ و ضلعی کوارڈینیٹر نظام المدارس پاکستان ضلع وزیر آباد)

معاون۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔قاریہ عائشہ صدیقہ (متعلمہ جامعہ حسینیہ)

ناشر۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔جامعہ حسینیہ، غوثیہ کالونی علی پور چٹھہ

0303-0626802

muftishahzad9@gmail.com

تعارفِ کتاب

کتاب "الاتقان فی علوم القرآن" نظام المدارس پاکستان کے درجہ سابعہ کے نصاب میں شامل ہے جس کے مصنف "حافظ امام جلال الدین سیوطیؒ" ہیں۔ یہ کتاب علوم القرآن پر مشتمل عربی زبان میں لکھی گئی ایک بہترین کتاب ہے جس میں صاحبِ کتاب نے قرآن کریم کے علوم کو بیان کیا ہے اور اس کے اسرار ورموز کی طرف اشارہ کیا ہے۔

اس کے ترجمہ میں ہم نے زیادہ تر استفادہ "مکتبۃ العلم" سے شائع ہونے والی کتاب سے کیا ہے۔ ہم نے اس کو انتہائی سہل اور سلیس انداز کیساتھ سوالاً جواباً مرتب کیا ہے جو اپنے قارئین خصوصاً طلبہ کیلئے ان شاء اللہ نہایت مفید ثابت ہو گی۔

اللہ کریم ہماری اس کاوش کو اپنی بارگاہ میں قبول فرمائے۔ امین!

جامعہ حسینیہ، غوثیہ کالونی علی پور چٹھہ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

سبب نزول

سوال نمبر1۔ سبب نزول کے بارے الاتقان میں کن آئمہ کی کتب کا ذکر کیا گیا ہے؟

۱۔ علی بن مدینی امام بخاری کے شیخ کو اس موضوع پر کتاب لکھنے میں تقدیم حاصل ہے

۲۔واحدی کی سبب نزول میں تصنیف سب زیادہ مشہور ہے۔

۳۔ابو الفضل بن حجر نے بھی اس بارے میں ایک قابل قدر کتاب لکھی تھی مگر ہنوز کتاب مسودہ ہی تھی کہ ان کا انتقال ہو گیا۔

۴۔علامہ سیوطی کی اپنی لباب النقول فی اسباب النزول

سوال نمبر2۔ نزول قرآن کی کتنی اقسام ہیں؟

نزول قرآن کی دو قسمیں ہیں۔ پہلی قسم ان آیات کی ابتدا نازل ہوئی ہے اور دوسری قسم ان آیات کی جو کسی واقعہ یا سوال کے بعد نازل ہوئی ہے۔

سوال نمبر3۔ الاتقان میں سبب نزول کی معرفت کے درج فوائد ذکر کریں۔

۱۔ حکم کے مشروع ہونے کی حکمت کا علم اور اس حکمت کی وجہ کا معلوم کرنا۔

۲۔ جس شخص کے خیال میں حکم کا اعتبار، سبب کی خصوصیت کے ذریعہ سے کیا جاتا ہے اُس کی رائے کے لحاظ سے سبب نزول کے ساتھ حکم کی خصوصیت ظاہر کرنا۔

۳۔ کبھی لفظ تو عام ہوتا ہے مگر دلیل عقلی یا نقلی اس کی تخصیص پر قائم ہو جاتی ہے اس لئے جس وقت سبب نزول معلوم ہو گا تو تخصیص کا اقتصار اُس سبب کی صورت کے ماسوا پر ہو جائے گا اس لئے کہ سبب کی صورت کا دخول (حکم میں) قطعی ہے اور اجتہاد کے ذریعہ سے صورت سبب کو خارج کر دینا ممنوع ہے

۴۔ سبب نزول کی معرفت سے آیات کے معانی منکشف ہو جاتے ہیں اور ان کے سمجھنے میں الجھن نہیں پڑتی۔

۵۔ سبب نزول کے علم سے حصر کا توہم دور ہوتا ہے۔

۶۔ سبب نزول ہی کے ذریعہ سے اُس شخص کا نام معلوم ہوتا ہے جس کے بارے میں کوئی آیت اتری ہے اور آیت کے مبہم حصہ کی بھی اسی ذریعہ سے تعین ہو سکتی ہے

سوال نمبر4۔ سبب نزول سے معانی کیسے منکشف ہوتے ہیں؟ آئمہ کے اقوال کی روشنی میں مدلل جواب دیں۔

- واحدی کہتا ہے بغیر اس کے کہ کسی آیت کے قصہ اور سبب نزول سے واقفیت ہو اُس کی تفسیر کر سکنا ممکن ہی نہیں۔
- ابن دقیق العید کا قول ہے معانی قرآن کے سمجھنے میں ایک قوی طریقہ اسباب نزول کا بیان ہے
- شیخ الاسلام ابن تیمیہ کہتا ہے کہ "سبب نزول کی معرفت آیت کے سمجھنے میں مدد دیتی ہے کیونکہ سبب کے علم سے مسبب کا علم حاصل ہونا ضروری ہے۔

مروان بن حاکم کو آیہ کریمہ

وَلَا يَحْسَبَنَّ ٱلَّذِينَ كَفَرُوٓاْ أَنَّمَا نُمْلِي لَهُمْ خَيْرٌ لِّأَنفُسِهِمْۚ إِنَّمَا نُمْلِي لَهُمْ لِيَزْدَادُوٓاْ إِثْمًاۚ وَلَهُمْ عَذَابٌ مُّهِينٌ

(ہر گز گمان نہ کرو ان لوگوں کو جو اپنے اعمال پر خوش ہوتے ہیں اور پسند کرتے ہیں کہ ان کی ایسے کاموں پر تعریف کی جائے جو انہوں نے کئے ہی نہیں، انہیں ہر گز عذاب سے دور نہ سمجھو اور ان کے لیے دردناک عذاب ہے۔"

کے معنی سمجھنے میں دقت آپڑی تھی کیونکہ اس آیت کا مفہوم ہے کہ ہر شخص اپنی تعریف پر خوش ہوتا ہے اور جب اپنی تعریف پر خوش ہوتا ہے تو وہ عذاب میں گرفتار کیوں ہوتا ہے۔ اور مروان اسی غلطی پر قائم رہا یہاں تک کہ ابن عباس نے اُس سے بیان کیا کہ یہ آیت اہل کتاب کے بارے میں اُس وقت نازل ہوئی تھی جب کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اُن سے کسی بات کو دریافت کیا تھا اور انہوں نے اصل بات آپ سے مخفی رکھ رکھی اور کچھ کا کچھ بیان کر کے بظاہر نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر یہ بات عیاں کی تھی کہ انہوں نے آپ کو امر مستفسرہ ہی کا جواب دیا ہے اور اس طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے سرخرو اور قابل تعریف بن گئے تھے۔ اس روایت کو شیخین نے بیان کیا ہے۔

اسی طرح عثمان بن مظعون اور عمرو بن معدیکرب کی نسبت بیان کیا گیا ہے کہ یہ دونوں صاحب شراب کو مباح کہا کرتے تھے اور اُس پر قول باری تعالیٰ

﴿لَيْسَ عَلَى ٱلَّذِينَ ءَامَنُواْ وَعَمِلُواْ ٱلصَّٰلِحَٰتِ جُنَاحٌ فِيمَا طَعِمُوٓاْ إِذَا مَا ٱتَّقَواْ وَّءَامَنُواْ وَعَمِلُواْ ٱلصَّٰلِحَٰتِ ثُمَّ ٱتَّقَواْ وَّءَامَنُواْ ثُمَّ ٱتَّقَواْ وَّأَحْسَنُواْۗ وَٱللَّهُ يُحِبُّ ٱلْمُحْسِنِينَ﴾

جو ایمان لائے اور انہوں نے نیک عمل کئے ان پر کھانے میں کوئی گناہ نہیں جب کہ ڈریں اور ایمان رکھیں اور اچھے عمل کریں پھر ڈریں اور ایمان رکھیں پھر ڈریں اور نیکیاں کریں اور اللہ نیکی کرنے والوں سے محبت فرماتا ہے۔ سے حجت لاتے تھے لیکن اگر ان کو اس آیت کا سبب نزول معلوم ہوتا تو ہر گز ایسی بات نہ کہتے اور اس آیت کا باعث نزول یہ تھا کہ بہت سے لوگوں نے شراب کی حرمت کا حکم نازل ہونے کے وقت کہا "ان لوگوں کا کیا حال ہو گا جو شراب کو باوجود اس کے نجس ہونے کے پیا کرتے تھے اور اب وہ راہ خدا کے اندر جہاد کرتے ہوئے مارے جا چکے یا طبعی موت سے مر گئے ہیں؟ چنانچہ ان لوگوں کی تسکین خاطر کے لئے اس آیت کا نزول ہوا تھا۔

اسی طرح قول باری تعالیٰ

﴿وَٱلَّٰٓـِٔي يَئِسْنَ مِنَ ٱلْمَحِيضِ مِن نِّسَآئِكُمْ إِنِ ٱرْتَبْتُمْ فَعِدَّتُهُنَّ ثَلَٰثَةُ أَشْهُرٍ وَٱلَّٰٓـِٔي لَمْ يَحِضْنَۚ وَأُوْلَٰتُ ٱلْأَحْمَالِ أَجَلُهُنَّ أَن يَضَعْنَ حَمْلَهُنَّۚ وَمَن يَتَّقِ ٱللَّهَ يَجْعَل لَّهُۥ مِنْ أَمْرِهِۦ يُسْرًا﴾

"اور تمہاری عورتوں میں جنہیں حیض کی امید نہ رہی اگر تمہیں کچھ شک ہو تو ان کی عدت تین مہینے ہے اور ان کی جنہیں ابھی حیض نہ آیا اور حمل والیوں کی میعاد یہ ہے کہ وہ اپنا حمل جَن لیں اور جو اللہ سے ڈرے اللہ اس کے کام میں آسانی فرما دے گا"

یہ آیت بھی اسی قسم میں شامل ہے کیونکہ بعض آئمہ کو اس شرط کے معنی میں اشکال پڑا تھا۔ یہاں تک کہ ظاہر یہ فرقہ کے لوگ کہنے لگے بظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اگر شک نہ پڑے تو آئسہ (وہ عورت جس کو ماہواری ایام آنے بند ہو گئے ہوں) پر عدت نہیں ہے۔ لیکن اس اشکال کو سبب نزول نے رفع کر دیا جو یہ ہے کہ جس وقت سورۃ البقرہ کی وہ آیت نازل ہوئی جو عورتوں کی تعداد کے بارے میں آئی ہے تو لوگوں نے کہا کہ عورتوں کے شمار میں سے ایک عدد کا ذکر ہونا باقی رہ گیا ہے یعنی چھوٹی اور بڑی عورتوں کا ذکر نہیں ہوا ہے۔ اُس وقت یہ آیت نازل ہوئی۔ اس بات کی روایت حاکم نے ابی سے کی ہے۔ لہٰذا معلوم ہو گیا کہ آیت کا روئے سخن ان لوگوں کی جانب ہے جن کو آئسہ عورتوں کو حکم دوبارہ عدۃ معلوم نہیں ہوا تھا اور وہ اس شک میں پڑ گئے تھے کہ آیا ان پر عدت ہے یا نہیں اور ہے تو انہی عورتوں کی مانند جن کا ذکر سورۃ البقرہ میں ہوا ہے یا اُس سے کچھ تغیر و تبدل کے ساتھ۔ اس لئے یہاں پر ان ار تبتم کے یہ معنی ہیں کہ اگر تم کو ان

کے حکم عدۃ کے معلوم کرنے میں اشکال واقع ہوا ہے یا تم اس بات کو نہیں معلوم کر سکتے ہو کہ اُن کی عدت کیونکر ہو گی تو سن لو کہ ان کا حکم یہ ہے

اس کے قبیل سے قول باری تعالیٰ

﴿وَلِلَّهِ ٱلْمَشْرِقُ وَٱلْمَغْرِبُ ۚ فَأَيْنَمَا تُوَلُّوا۟ فَثَمَّ وَجْهُ ٱللَّهِ ۚ إِنَّ ٱللَّهَ وَٰسِعٌ عَلِيمٌ﴾

"اور مشرق و مغرب سب اللہ ہی کا ہے تو تم جدھر منہ کرو ادھر ہی اللہ کی رحمت تمہاری طرف متوجہ ہے۔ بیشک اللہ وسعت والا علم والا ہے۔"

اس لئے کہ اگر ہم اس کو لفظ کے مدلول ہی پر چھوڑ دیں تو اس کا منقضی یہ ہوگا کہ نماز پڑھنے والے پر سفر اور حضر کسی حالت میں قبلہ کی طرف رخ کرنا واجب ہی نہیں اور یہ بات خلاف اجماع ہے۔ پھر جب کہ اُس کا سبب نزول معلوم ہوا تو یہ پتہ لگا کہ یہ حکم باختلاف روایات، سفر کی نفل نمازوں کے بارے میں ہے یا اُس شخص کے بارے میں ہے جس نے سمت قبلہ نہ معلوم ہونے کے باعث اپنی رائے سے کام لے کر نماز پڑھ لی اور بعد میں اُس پر اپنی غلطی کا انکشاف ہو گیا

اسی طرح

﴿ ٱلصَّفَا وَٱلْمَرْوَةَ مِن شَعَآئِرِ ٱللَّهِ ۖ فَمَنْ حَجَّ ٱلْبَيْتَ أَوِ ٱعْتَمَرَ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِ أَن يَطَّوَّفَ بِهِمَا ۚ وَمَن تَطَوَّعَ خَيْرًا فَإِنَّ ٱللَّهَ شَاكِرٌ عَلِيمٌ﴾

بیشک صفا اور مروہ اللہ کی نشانیوں میں سے ہیں تو جو اس گھر کا حج یا عمرہ کرے اس پر کچھ گناہ نہیں کہ ان دونوں کے چکر لگائے اور جو کوئی اپنی طرف سے بھلائی کرے تو بیشک اللہ نیکی کا بدلہ دینے والا، خبر دار ہے۔

"کی بھی یہی حالت ہے کہ اس کے ظاہر لفظ سے سعی (دوڑنے) کا فرض ہونا مفہوم نہیں ہوتا چنانچہ اس سبب نے بعض علماء اس کے فرض نہ ہونے کے قائل ہو گئے اور اس آیت سے انہوں نے تمسک کیا چنانچہ حضرت عائشہ صدیقہ نے ان کی تردید کرتے ہوئے کہا کہ اس آیت کا سبب نزول یہ ہے کہ صحابہ نے صفا اور مروہ کے مابین دوڑنے کو زمانہ جاہلیت کا فعل سمجھ کر تصور کیا کہ ہم اس کے مرتکب ہوئے تو گنہگار ہوں۔گے اس وقت یہ آیت نازل ہوئی.

سوال نمبر 5۔ سبب نزول کے علم سے حصر کا توہم کیسے دور ہوتا ہے؟

سبب نزول کے علم سے حصر کا توہم دور ہوتا ہے۔شافعی نے قول باری تعالیٰ '﴿لَّآ أَجِدُ فِى مَآ أُوحِىَ إِلَىَّ مُحَرَّمًا﴾ کے معنوں میں فرمایا ہے کہ جس وقت کفار نے خدا کی حلال بنائی ہوئی چیزوں کو حرام اور اس کی حرام کی ہوئی چیزوں کو حلال قرار دیا اور وہ لوگ خواہ مخواہ ضد کی وجہ سے ایسا کرتے تھے تو اس وقت یہ آیت اُن کی غرض کی مناقضت کرنے والوں کے لئے نازل کی گئی گویا کہ خداوند کریم نے فرمایا کہ جس چیز کو تم (مشرکین) نے حرام قرار دیا ہے اُس کے سوا کوئی حلال چیز اور جس چیز کو تم نے حلال قرار دیا ہے اُس کے ماسوا کوئی حرام نئے نہیں ہے۔ جیسے دو مخالف شخصوں میں سے ایک شخص یہ کہے کہ میں آج میٹھا نہ کھاؤں گا اور دوسرا ضد پر آکے کہہ اُٹھے کہ میں تو آج میٹھا ہی کھاؤں گا۔

امام الحرمین کہتے ہیں کہ یہ قول نہایت پیارا ہے اور اگر شافعی نے پہلے اس بات کو نہ کہہ دیا ہوتا تو ضرور تھا کہ ہم امام مالک کے اس آیت کے بیان کردہ چیزوں میں محرمات کا حصر کر دینے کی مخالفت جائز نہ سمجھتے اور ان کے قول کو بلا تامل تسلیم کر لیتے۔

سوال نمبر 6۔ کیا سبب نزول ہی کے ذریعہ سے اُس شخص کا نام معلوم ہوتا ہے کہ جس کے بارے آیت نازل ہوئی؟

سبب نزول ہی کے ذریعہ سے اُس شخص کا نام معلوم ہوتا ہے جس کے بارے میں کوئی آیت اتری ہے اور آیت کے مبہم حصہ کی بھی اسی ذریعہ سے تعین ہو سکتی ہے مثلاً مروان بن الحکم نے عبد الرحمن بن ابی بکر کے بارے میں کہا تھا کہ آیہ کریمہ

﴿وَٱلَّذِى قَالَ لِوَٰلِدَيْهِ أُفٍّ لَّكُمَآ أَتَعِدَانِنِىٓ أَنْ أُخْرَجَ وَقَدْ خَلَتِ ٱلْقُرُونُ مِن قَبْلِى وَهُمَا يَسْتَغِيثَانِ ٱللَّهَ وَيْلَكَ ءَامِنْ إِنَّ وَعْدَ ٱللَّهِ حَقٌّ فَيَقُولُ مَا هَٰذَآ إِلَّآ أَسَٰطِيرُ ٱلْأَوَّلِينَ﴾

"اور وہ جس نے اپنے ماں باپ سے کہا: تمہارے لئے اُف (تم سے دل بیزار ہو گیا ہے) کیا مجھے ڈراتے ہو کہ میں نکالا جاؤں گا حالانکہ مجھ سے پہلے کئی زمانے گزر چکے ہیں اور وہ دونوں اللہ سے فریاد کرتے ہیں، (اور بیٹے سے کہتے ہیں) تیری خرابی ہو، ایمان لے آ، بیشک اللہ کا وعدہ سچا ہے

تو وہ کہتا ہے یہ تو پہلے لوگوں کی کہانیاں ہیں۔"

ان کے حق میں نازل ہوئی ہے یہاں تک کہ بی بی عائشہ نے مروان کے قول کی تردید فرمائی اور اس آیت کا صحیح سبب نزول بیان کر کے مروان کو آسمان کا تھو کا منہ پر آتا ہے" کی مثل کا مصداق بنا دیا۔

سوال نمبر 7۔ کسی نص میں لفظ کے عموم کا اعتبار ہو گا یا سبب کے خصوص کا؟ مدلل جواب دیں۔

علمائے اصول (فقہ) کا اس بارے میں اختلاف ہے کہ نص میں کسی امر کا اعتبار کرنا چاہئے، لفظ کے عموم کا یا سبب کے خاص ہونے کا؟ اور ہمارے نزدیک پہلی بات زیادہ صحیح ہے کیونکہ متعدد آیتیں ایسی بھی ملتی ہیں جن کا نزول خاص اسباب میں ہوا مگر علماء نے اس بات پر اتفاق کر لیا ہے کہ ان کے احکام غیر اسباب کی طرف بھی متعدی ہوتے ہیں مثلاً ظہار کی آیت سلمۃ بن صحر کے بارے میں نازل ہوئی تھی۔ آیت لعان کا نزول ہلال بن امیہ کے بارے میں ہوا تھا اور حد القذف کا شان نزول بی بی عائشہ کو تہمت لگانے والوں کے حق میں تھا۔ مگر بعد میں یہ احکام اوروں کی طرف بھی متعدی ہو گئے

عموم لفظ کو معتبر ماننے کی دلیل صحابہ وغیرہ کا مختلف واقعات میں ان آیات کے عموم سے حجت لانا ہے جو اُن کے مابین مشہور و معروف خاص اسباب سے نازل ہوئی تھیں۔ ابن جریر کہتا ہے مجھ سے محمد بن ابی معشر نے اور اُس سے ابو معشر نجیح نے روایت کی ہے کہ میں نے سعید المقبری کو محمد بن کعب القرظی سے علمی گفتگو کرتے ہوئے سنا تھا۔ سعید نے کہا کسی خدا کی کتاب (آسمانی صحائف) میں آیا ہے کہ خدا کے بعض بندے اس قسم کے ہیں جن کی زبانیں تو شہد سے بڑھ کر میٹھی ہیں مگر ان کے دل ایلوا سے بڑھ کر تلخ ہیں انہوں نے لباس بھیڑ کی نرم اور روئیں دار کھال کا پہن رکھا ہے اور دین کے ذریعہ سے دنیا سمیٹتے ہیں۔ محمد بن کعب نے سعید کی یہ بات سن کر جواب دیا" یہ مضمون تو قرآن کریم میں موجود ہے

﴿وَمِنَ ٱلنَّاسِ مَن يُعۡجِبُكَ قَوۡلُهُۥ فِي ٱلۡحَيَوٰةِ ٱلدُّنۡيَا وَيُشۡهِدُ ٱللَّهَ عَلَىٰ مَا فِي قَلۡبِهِۦ وَهُوَ أَلَدُّ ٱلۡخِصَامِ ۝٢٠٤ وَإِذَا تَوَلَّىٰ سَعَىٰ فِي ٱلۡأَرۡضِ لِيُفۡسِدَ فِيهَا وَيُهۡلِكَ ٱلۡحَرۡثَ وَٱلنَّسۡلَۚ وَٱللَّهُ لَا يُحِبُّ ٱلۡفَسَادَ﴾

"سعید نے کہا" کیا تم کو معلوم ہوا کہ یہ کس کے بارے میں اُتری تھی؟ محمد بن کعب نے جواب دیا" کبھی ایک آیت پہلے کسی خاص شخص کے بارے میں نازل ہوتی ہے اور پھر وہ بعد میں عام بھی ہو جاتی ہے،

اعتراض: آپ نے کہا کہ صحابہ سبب کے خصوص کا نہیں بلکہ الفاظ کے عموم کا اعتبار کرتے ہیں لیکن حضرت ابن عباس ایسا نہیں کرتے تھے جیسا کہ ابن عباس نے قول باری تعالیٰ "لاَ تَحْسَبَنْ الَّذِينَ يَفْرَحُونَ ." میں عموم کو تسلیم نہیں کیا ہے بلکہ انہوں نے اُسے اہل کتاب کے اُسی قصہ پر منحصر رکھا جس کے بارے میں یہ آیت نازل ہوئی تھی۔

اس کا جواب یہ ہے کہ ابن عباس پر یہ بات تو مخفی نہیں رہی تھی کہ لفظ بہ نسبت سبب کے زیادہ عام ہوتا ہے۔ لیکن اس جگہ اُنہوں نے بیان کیا کہ لفظ سے بھی ایک خاص بات مراد ہے چنانچہ اس کی نظیر ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا قول باری تعالیٰ "وَالَّذِينَ لَمْ يَلْبَسُوا إِيْمَانَهُمْ بِظُلْمٍ" میں لفظ ظلم کی تفسیر "شرک کے ساتھ کرنا اور اس پر قول باری تعالیٰ "إِنَّ الشَّرُكَ لَظُلْمٌ عَظِيمٌ" سے استدلال لانا۔ ورنہ اس لفظ سے صحابہ نے ہر ایک ظلم کا عموم ہی سمجھا تھا اور خود ابن عباس سے بھی ایک حدیث ایسی ہی مروی ہے جو اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ وہ عموم کا اعتبار کرتے تھے کیونکہ اُنہوں نے یہ آیہ سرقہ کے بارے میں باوجود اس کے کہ اس کا نزول ایک چوری کرنے والی خاص عورت کے معاملہ میں ہوا تھا۔ عموم حکم کی تشریح کرتے ہوئے کہا ہے کہ یہ حکم تمام چوری کے مجرموں کے لئے عام ہے۔ ابن ابی حاتم کہتا ہے کہ "مجھ سے علی بن الحسین نے اور اُس سے محمد بن ابی حماد نے بواسطۃ ابو مدینۃ بن عبد المؤمن نجدۃ الحنفی سے روایت کی ہے کہ نجدہ نے کہا میں نے ابن عباس سے آیہ کریمہ "والسَّارِقُ والسَّارِقَةُ فَاقْطَعُوا أَيْدِيَهُمَا " کی نسبت دریافت کیا کہ اس کا حکم خاص ہے یا عام؟ تو اُنہوں نے جواب دیا نہیں اس کا حکم عام ہے۔

سوال نمبر 8۔ آیت کے نزول کے سبب خاص کی بجائے الفاظ کے عموم کا اعتبار کرنے کے بارے ابن تیمیہ کیا کہتے ہیں؟

شیخ الاسلام ابن تیمیہ کا قول ہے اس میں شک نہیں کہ اس بات میں اکثر مفسرین یہ کہا کرتے ہیں کہ وہ آیت فلاں معاملہ میں نازل ہوئی ہے، خصوصاً جس حالت میں کہ نزول آیت کے متعلق کسی شخص خاص کا نام بھی لیا گیا ہو مثلاً وہ کہتے ہیں ظہار کی آیت، ثابت بن قیس کی بیوی کے معاملہ میں نازل ہوئی۔ کلالہ کی آیت ﴿يَسْتَفْتُونَكَ قُلِ ٱللَّهُ يُفْتِيكُمْ فِي ٱلْكَلَٰلَةِ ۚ إِنِ ٱمْرُؤٌا۟ هَلَكَ لَيْسَ لَهُۥ وَلَدٌ وَلَهُۥٓ أُخْتٌ فَلَهَا نِصْفُ مَا تَرَكَ ۚ وَهُوَ يَرِثُهَآ إِن لَّمْ يَكُن لَّهَا وَلَدٌ ۚ فَإِن كَانَتَا ٱثْنَتَيْنِ فَلَهُمَا ٱلثُّلُثَانِ مِمَّا تَرَكَ ۚ وَإِن كَانُوٓا۟ إِخْوَةً رِّجَالًا وَنِسَآءً فَلِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ ٱلْأُنثَيَيْنِ ۗ يُبَيِّنُ ٱللَّهُ لَكُمْ أَن تَضِلُّوا۟ ۗ وَٱللَّهُ بِكُلِّ شَىْءٍ عَلِيمٌۢ﴾ جابر بن عبداللہ کے بارے میں اتری اور ﴿وَأَنِ ٱحْكُم بَيْنَهُم بِمَآ أَنزَلَ ٱللَّهُ وَلَا تَتَّبِعْ أَهْوَآءَهُمْ وَٱحْذَرْهُمْ أَن يَفْتِنُوكَ عَنۢ بَعْضِ مَآ أَنزَلَ ٱللَّهُ إِلَيْكَ ۖ فَإِن تَوَلَّوْا۟ فَٱعْلَمْ أَنَّمَا يُرِيدُ ٱللَّهُ أَن يُصِيبَهُم بِبَعْضِ ذُنُوبِهِمْ ۗ وَإِنَّ كَثِيرًا مِّنَ ٱلنَّاسِ لَفَٰسِقُونَ﴾ کا نزول بنی قریظہ اور بنی نضیر کے حق میں ہوا۔ یا اسی طرح جن آیات کو مشرکین مکہ کے کسی گروہ یا یہود و نصاری کی کسی جماعت یا مسلمانوں کے کسی فرقہ سے متعلق بتایا جاتا ہے۔ تو ان باتوں سے کہنے والوں کا یہ مقصد ہر گز نہیں ہوتا کہ ان آیات کا حکم صرف انہی خاص لوگوں کے ساتھ مخصوص ہو گیا ہے اور دوسروں تک اس کا تجاوز نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ ایسی بات مطلقاً کسی مسلمان یا عقلمند آدمی کی زبان سے نکل نہیں سکتی۔ اور اگرچہ اس بات میں جھگڑا کیا گیا ہے کہ جو عام کسی سبب پر وارد ہوا ہے آیا وہ اپنے سبب ہی کے ساتھ مخصوص ہو سکتا ہے یا نہیں؟ لیکن یہ کسی نے بھی نہیں کہا کہ کتاب اور سنت کے عموم کسی شخص معین کے ساتھ مخصوص ہوتے۔ ہیں۔ ہاں زیادہ سے زیادہ یہ کہا جا سکتا ہے کہ اُن کی خصوصیت اُس شخص کی نوع کے ساتھ ہو گی اور اس طرح وہ پھر اُس سے ملتے جلتے لوگوں کے لئے عام ہو جائے گا اور اُس میں لفظ کے اعتبار سے عموم نہ پایا جائے گا جس آیت کا کوئی معین سبب ہو گا اگر وہ امر یا نہی ہو تو وہ اُس خاص شخص اور ہر ایسے شخص. کے لئے شامل ہو گی جو شخص معین کے مرتبہ میں ہو اور اگر اس آیت سے کسی مدح یا ذم کی خبر دی گئی ہے تو بھی وہ اُس خاص شخص اور اُس کی مانند دیگر لوگوں کے لئے عام ہو گی۔

سوال نمبر 9۔ آیت تو کسی خاص شخص کے بارے میں نازل ہوئی ہو، اور اس کے الفاظ میں عموم بھی ہو لیکن اس میں عموم الفاظ کا اعتبار نہ ہو ، ایسا کب ممکن ہے؟

ایسا ممکن ہے کہ آیت کا نزول کسی شخص معین کے بارہ میں ہوا اور اُس کے لفظ کے عموم کا اعتبار نہیں کیا جائے گا۔ اور اُس کا انحصار قطعاً اسی شخص کے حق میں ہو گا جیسے خداوند کریم کا قول ﴿وَسَيُجَنَّبُهَا ٱلْأَتْقَى ﴿١٧﴾ ٱلَّذِى يُؤْتِى مَالَهُۥ يَتَزَكَّىٰ﴾ اس آیت کی بابت بالاجماع مانا گیا ہے کہ یہ حضرت ابو بکر صدیق کے حق میں نازل ہوئی۔ لہٰذا جو شخص اس آیت کو قاعدہ کے تحت میں لانے کی غرض سے یہ وہم کرے کہ اس کا حکم بھی ہر ایسے شخص کے لئے عام ہو گا جو ابو بکر کی طرح اچھے اور نیک کام کرتا ہو تو یہ بات صحیح نہیں ہو سکتی کیونکہ اس آیت میں سرے سے کوئی صیغہ عموم کا کہیں نہیں، اس لئے الف ولام سے عموم کا فائدہ اسی حالت میں حاصل ہو سکتا ہے جبکہ وہ کسی جمع کے صیغے پر آئے اور پھر یہ شرط بھی ہے کہ وہاں کسی قسم کا عہد ذہنی یا خارجی نہ پایا جاتا ہو۔ اور یہاں پر اتقی جمع کا صیغہ بھی نہیں بلکہ وہ مفرد ہے اور عہد بھی اُس میں موجود ہے جس کے ساتھ ہی "افعل" کا صیغہ تمیز اور قطع مشارکت کا خاص فائدہ دے رہا ہے۔ ان وجوہ سے عموم کا ماننا، باطل ٹھہرتا اور خصوص کا یقین کامل، حاصل ہوتا ہے اور اس آیت کے حضرت ابو بکر ہی کے حق میں نازل ہونے کا انحصار کیا جا سکتا ہے۔

سوال نمبر 10۔ کیا ایسا ممکن ہے کہ نظم قرآن کی رعایت کی وجہ سے ایک جگہ پر موجود خاص اسباب کی حامل آیات کو دوسری جگہ پر موجود عموم والی آیات کے ساتھ رکھ دیا جائے؟

بعض اوقات کچھ آیتوں کا نزول خاص اسباب سے ہوتا ہے مگر وہ نظم قرآن کی رعایت اور طرز بیان کی خوبی کے لحاظ سے اپنے مناسب عام

آیتوں کے ساتھ رکھ دی جاتی ہیں اور اس طرح پر وہ خاص بھی عام میں قطعی طور سے داخل ہونے کے لحاظ سے صورت سبب ہی کے قریب قریب ہو جاتی ہیں۔

اس کی بابت سبکی کا مختار قول ہے کہ یہ ایک اوسط درجہ کا رتبہ ہے جو سب سے نیچے اور تجرد سے بالا ہے۔ مثال کے طور پر خداوند کریم کے قول ﴿أَلَمْ تَرَ إِلَى ٱلَّذِينَ أُوتُوا۟ نَصِيبًا مِّنَ ٱلْكِتَٰبِ يُؤْمِنُونَ بِٱلْجِبْتِ وَٱلطَّٰغُوتِ وَيَقُولُونَ لِلَّذِينَ كَفَرُوا۟ هَٰٓؤُلَآءِ أَهْدَىٰ مِنَ ٱلَّذِينَ ءَامَنُوا۟ سَبِيلًا﴾

کو لیا جاتا ہے جس کا اشارہ کعب بن اشرف اور اُس کی مانند دیگر علمائے یہود کی طرف ہے۔ جس وقت وہ لوگ مکہ گئے تھے اور اُنہوں نے جنگ بدر کے مقتول مشرکین کی لاشیں دیکھی تھیں تو اُنہوں نے مشرکین مکہ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے لڑنے اور اپنے مقتول بھائیوں کا انتقام لینے پر ابھارا تھا۔ مشرکین مکہ نے اُن سے دریافت کیا کہ پہلے تم یہ بتاؤ ہم دونوں میں سے سیدھے راستہ پر کون ہے۔ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے ساتھی یا ہم لوگ؟ اور کعب بن اشرف اور اُس کے ساتھیوں نے کہا کہ نہیں، تم لوگ سیدھے راستے اور حق پر ہو۔ حالانکہ اُن کو بخوبی معلوم تھا کہ ان کی آسمانی کتابوں میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی تعریف موجود ہے اور وہ آپ پر پوری طرح منطبق بھی ہوتی ہے پھر خدا نے اُن سے اس بات کا قول و قرار بھی لے لیا تھا کہ وہ پیغمبر آخر الزمان صلی اللہ علیہ وسلم کی نعت کو پوشیدہ نہ رکھیں گے اس لئے یہ بات ان کے ذمہ ایک واجب الاداامانت تھی جس کو حق دار تک پہنچانے میں اُنہوں نے بد دیانتی کی۔ اور اُن کا یہ کہنا بالکل غلط اور خلاف واقع تھا۔ اس لئے یہ آیت مع اُس وعید کے جس کا اثر ان لوگوں پر پڑتا ہے جنہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی صفت اور مدح کو باوجود اپنی کتابوں میں موجود پانے اور اُس کے بیان کرنے کے لئے مامور ہونے کے بیان نہیں کیا اور اس طرح پر خیانت کے مرتکب ہوئے خداوند کریم کے قول "إِنَّ اللّهَ يَأْمُرُكُمْ أَن تُؤدُّواْ الأَمَانَاتِ إِلَى أَهْلِهَا" مناسبت رکھتی ہے اور فرق صرف اس قدر ہے کہ دوسری آیت تمام امانتوں کے لئے عام اور پہلی آیت محض ایک خاص امانت سے تعلق رکھتی ہے جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی صفت ہے اور یہ بات پچھلے بیان شدہ طریقہ کے اعتبار سے پیدا ہوئی ہے۔ اس کے علاوہ عام آیت خاص آیت سے قید تحریر میں بھی بعد کو آئی ہے اور اُس کا نزول بھی خاص آیت کے نزول سے بعد ہوا ہے۔ پھر دونوں کی مناسبت کا بھی یہ مقتضی ہے کہ خاص کا مدلول عام میں داخل ہو۔

سوال نمبر 11۔ کیا سبب نزول میں وحدت زمانہ یا قربت زمانہ کی شرط لگائی جائے گی؟

کسی عالم کا قول ہے کہ امانات کی آیت کا اپنے قبل کی آیت سے تقریباً چھ سال بعد نازل ہونا اس نظم کلام میں کوئی نقص نہیں ڈال سکتا کیونکہ وحدت یا قربت زمانہ کی شرط صرف سبب نزول میں لگائی گئی ہے نہ کہ مناسبت معانی میں بھی، مناسبت کا مقصود تو صرف اتنا ہی ہے کہ ایک آیت اپنے مناسب موقع میں جوڑ دی جائے ورنہ آیتوں کا نزول اپنے اپنے اسباب پر ہوتا تھا اور پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم انہیں ایسی جگہوں پر لکھنے کا حکم دیتے تھے جو انہیں خدا کی جانب سے ان کی جگہیں بتائی جاتی تھیں۔

سوال نمبر 12۔ سبب نزول کی شناخت کیسے ممکن ہے؟

سبب نزول کی شناخت ایک ایسی بات ہے جو صرف صحابہ کو ان قرائن کے ذریعہ سے معلوم ہوتی تھی جو قضیوں کے گرد و پیش محیط ہوتے ہیں

سول نمبر 13۔ اگر کوئی صحابی سبب نزول کو یقینی طور پر معلوم نہ کر پائے اور کہہ دیا کہ میں سمجھتا ہوں کہ یہ آیت فلاں معاملہ میں نازل ہوئی ہے تو کیا وہ سبب نزول شمار ہوگا؟

ایسا واقعہ حقیقت میں تو سبب نزول نہیں ہوتا لیکن عمومی طور پر اسے سبب نزول سمجھ لیا جاتا ہے۔ جیسا کہ آئمہ ستہ نے عبد اللہ بن زبیر والی روایت نقل کی ہے کہ حضرت زبیر اور کسی انصاری شخص سے زمین حرہ کی ایک نہر کے پانی لینے کے بارے میں نزاع ہو گیا تھا اور یہ مقدمہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے روبرو فیصلہ کے لئے پیش ہوا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "زبیر تم پہلے پانی لے لو اور اس کے بعد اپنے ہمسایہ کو پانی لینے دو۔ انصاری شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ حکم سن کر کہا "یا رسول اللہ! یہ اس لئے کہ وہ آپ کے پھوپھی زاد بھائی ہیں؟ یعنی ان کو پہلے پانی دلانے کی وجہ

قرابت کالحاظ کرنا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا چہرہ انصاری کی یہ گفتگو سن کر متغیر ہو گیا۔ ابن زبیر کہتے ہیں "میں خیال کرتا ہوں کہ یہ آیتیں اس معاملہ میں نازل ہوئی تھیں

﴿ فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُونَ حَتَّىٰ يُحَكِّمُوكَ فِيمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ لَا يَجِدُواْ فِىٓ أَنفُسِهِمْ حَرَجًا مِّمَّا قَضَيْتَ وَيُسَلِّمُواْ تَسْلِيمًا﴾

تو اے حبیب! تمہارے رب کی قسم، یہ لوگ مسلمان نہ ہوں گے جب تک اپنے آپس کے جھگڑے میں تمہیں حاکم نہ بنالیں پھر جو کچھ تم حکم فرمادو اپنے دلوں میں اس سے کوئی رکاوٹ نہ پائیں اور اچھی طرح دل سے مان لیں۔

سوال نمبر13۔ جس وقت وہ صحابی جس کے سامنے نزول وحی ہوئی ہو، وہ اس بات کو کہے کہ فلاں آیت اس بارے میں اتری ہے تو اُس کا یہ قول کیا شمار ہو گا؟

امام حاکم نے کتاب علوم الحدیث میں بیان کیا ہے کہ جس وقت وہ صحابی جس کے سامنے نزول وحی ہوئی ہو اس بات کو کہے کہ فلاں آیت اس بارے میں اُتری ہے تو اُس کا یہ قول ایک مسند حدیث تصور کرنا چاہئے اور ابن الصلاح اور دیگر محدثین نے بھی یہی روش اختیار کی ہے اور اس کی مثال میں مسلم کی وہ حدیث پیش کی ہے جسے مسلم نے جابر سے روایت کیا ہے کہ جابر نے کہا یہودی لوگ کہا کرتے تھے کہ جو شخص اپنی بیوی کو الٹا لٹا کر اس کی پشت کی جانب سے امر معروف میں مصروف ہو گا تو اس کا بچہ بھینگا پیدا ہو گا۔ اُن کی اس بات کی تردید کے لئے خداوند کریم نے آیہ کریمہ نِسَاؤُكُم حَرْثٌ لكم" نازل کی۔

سوال نمبر14۔ صحابی کا قول نَزَلَتْ هَذِهِ الآية فی كذا **کے بارے ابن تیمیہ کی کیا رائے ہے؟**

ابن تیمیہ کہتے ہیں صحابہ کا یہ قول کہ اس آیت کا نزول فلاں امر میں ہوا ہے بھی یہ معنی رکھتا ہے کہ اس کے نزول کا فلاں سبب تھا اور گاہے اس کی مراد یہ ہوتی ہے کہ اگرچہ یہ سبب نزول نہیں لیکن ایسا مفہوم آیت میں داخل ہے

سوال نمبر15۔ صحابی کا قول نَزَلَتْ هَذِهِ الآية فی كذا **کے بارے امام بخاری کیا کہتے ہیں؟**

صحابی کا قول نَزَلَتْ هَذِهِ الآية فی كذا کہہ کر آیت کا سبب نزول بیان کیا ہو تو بخاری ایسے قول کو مسند کے زمرہ میں شامل بتاتے ہیں۔ مگر ان کے سوا دوسرے لوگ اُسے مسند میں داخل نہیں کرتے اس اصطلاح کے اعتبار سے جس قدر قابل سند اقوال تسلیم ہوں گے اُن میں سے اکثر کا وہی مرتبہ ہو گا جو کہ احمد وغیرہ محدثین کے مسندوں کا ہے۔

سوال نمبر16۔ امام زرکشی نَزَلَتْ هَذِهِ الآية فِي كَذَا **کے بارے کیا کہتے ہیں؟**

زرکشی نے اپنی کتاب البرہان میں بیان کیا ہے صحابہ اور تابعین کی عادت سے یہ بات معلوم ہوئی ہے کہ جس وقت اُن میں سے کوئی کہتا ہے نَزَلَتُ هَذِهِ الآية فِي كَذَا یہ آیت فلاں معاملہ میں نازل ہوئی ہے تو اُس سے مراد یہ ہوتی ہے کہ وہ آیت فلاں حکم پر شامل ہے نہ یہ کہ اُس کی بتائی ہوئی وجہ آیت کا سبب نزول ہے اور صحابہ یا تابعین کا یوں کہنا آیت کے ساتھ حکم پر استدلال کرنے کی قبیل سے ہے نہ یہ کہ سبب وقوع کو بیان کرنے کی قسم سے۔

سوال نمبر17۔ کسی آیت کا شان نزول بیان کرتے وقت کس قید کا اضافہ ضروری ہے؟

کسی آیت کا سبب نزول بیان کرتے وقت یہ قید ضروری ہے کہ

کسی آیت کا نزول بعینہ ایسے وقت میں نہیں ہوا ہے جس وقت کہ وہ سبب پیش آیا ہو

اور اس قید کا فائدہ یہ ہو گا کہ واحدی نے سورۃ الفیل کی تفسیر کرتے ہوئے جو یہ لکھا ہے کہ اُس کا سبب نزول اہل حبش کا ہاتھیوں کو لے کر

انہدام خانہ کعبہ کی نیت سے آنے کا ذکر کرنا ہے۔ اب اس قید سے واحدی کا بیان کردہ سبب، سبب نزول کی تعریف سے خارج ہو جائے گا، کیونکہ یہ بات اسباب نزول میں شمار نہیں ہوتی بلکہ اُس کی حالت تو وہ ہے جو گزشتہ زمانوں کے قصص بیان کرنے کی ہونی چاہئے اور جس کی مثال قوم نوح، قوم عاد قوم ثمود اور تعمیر خانہ کعبہ وغیرہ کے حالات ہیں کہ ان کا ذکر بھی قرآن میں تاریخ کے طور پر آیا ہے اور اسی طرح خداوند کریم کے قول وَاتَّخَذَ اللَّهُ إِبْرَاهِيمَ خَلِيلاً میں پروردگار عالم کا ابراہیم علیہ السلام کو خلیل بنانے کی علت بیان کرنا بھی قرآن اسباب نزول میں داخل نہیں ہو سکتا۔

سوال نمبر 18۔ جب ایک آیت کے متعدد اسباب نزول بیان کیے جائیں تو کونسا سبب معتبر ہو گا اور کونسا نہیں؟

ا۔ جب مفسرین نے ایک ہی آیت کے نزول میں کئی کئی سبب بیاں کئے ہوں تو اس بارے میں کسی ایک قول پر اعتماد کرنے کا طریق یہ ہے کہ واقعہ کی عبارت پر نظر ڈالی جائے۔ پھر اگر ایک راوی نے ایک سبب بیان کیا۔ ہے اور دوسرے نے دوسرا سبب بتایا ہے تو دوسرا قول اس آیت کی تفسیر تصور کیا جائے گا نہ کہ اُس کا سبب نزول۔

۲۔ لیکن جب ایک راوی نے کوئی صریح سبب بیان کر دیا ہے اور دوسرے راوی نے اُس کے بالکل برعکس سبب بتایا تو اس حالت میں پہلا قول قابل اعتماد ہو گا اور دوسرا قول استنباط تصور کیا جائے گا۔ مثلاً بخاری نے ابن عمرؓ سے روایت کی ہے کہ ﴿نِسَآؤُكُمْ حَرْثٌ لَّكُمْ فَأْتُواْ حَرْثَكُمْ أَنَّىٰ شِئْتُمْ﴾ کا نزول عورتوں سے خلاف وضع فطری صحبت کرنے کے بارے میں ہوا تھا اور اس کے بارے حضرت جابر کی تصریح ہے کہ یہودی لوگ کہا کرتے تھے کہ جو شخص اپنی بیوی کو الٹا لٹا کر اس کی پشت کی جانب سے امر معروف میں مصروف ہو گا تو اس کا بچہ بھینگا پیدا ہو گا۔ اُن کی اس بات کی تردید کے لئے خداوند کریم نے آیہ کریمہ نِسَآؤُكُم حَرْثٌ لكم "نازل کی۔ اور یہ تصریح ابن عمر کے اس اس قول سے بالکل مخالف ہے تو اس موقع پر جابر کا بیان قابل اعتماد اور ابن عمر کا قول استنباط مانا جائے گا۔ کیونکہ جابر کا قول نقل ہے اور ابن عمر نے اپنی رائے سے یہ مفہوم استنباط کیا ہے۔ ابن عباس بھی اس بارہ میں جابر ہی کی طرح روایت کرتے ہیں اور ابن عمر کو وہم میں مبتلا ہو جانے والا بتاتے ہیں۔ جیسا کہ ابو داؤد اور حاکم نے ابن عباس سے روایت کیا ہے۔

۳۔ اور اگر ایک شخص نے کچھ سبب بیان کیا ہے اور دوسرا اس کے علاوہ کوئی اور سبب بتاتا ہے تو دیکھا جائے گا کہ اسناد کس قول کے صحیح ہیں۔ جس کے اسناد صحیح ہوں وہی قابل اعتماد ماننا چاہئے اُس کی مثال وہ حدیث ہے جسے شیخین اور دیگر محدثین نے جنوب سے روایت کیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو کچھ شکایت (علالت) ہو گئی جس کے باعث آپ ایک یا دو راتیں قیام نہیں کر سکے اُس وقت ایک عورت نے آپ کے پاس آکر (طنز) کہا "محمد صلی اللہ علیہ وسلم! میں دیکھتی ہوں کہ تمہارے شیطان نے تم کو چھوڑ دیا ہے چنانچہ اس واقعہ کے بعد خداوند کریم نے" ﴿وَالضُّحَىٰ ۝ وَاللَّيْلِ إِذَا سَجَىٰ ۝ مَا وَدَّعَكَ رَبُّكَ وَمَا قَلَىٰ﴾ کو نازل فرمایا اور اسی بارے میں طبرانی اور ابن ابی شیبہ بواسطۂ حفص بن میسرہ کے روایت کرتے ہیں اور حفص اپنی ماں سے اور اُس کی ماں اپنی ماں سے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خادمہ تھی راوی ہے کہ ایک کتے کا پلا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر میں گھس آیا اور پلنگ کے نیچے جا بیٹھا جہاں وہ مر کر رہ گیا۔ اس کے بعد چار دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وحی آنے سے خالی رہے اور آپ نے فرمایا' خولہ گھر میں کیا ہوا ہے جو جبریل میرے پاس نہیں آتا؟ میں نے اپنے دل میں کہا لاؤ ذرا گھر میں صفائی تو کروں اور جھاڑو لگا دوں چنانچہ جس وقت میں نے جھاڑو پلنگ کے نیچے ڈالی وہ مرا ہوا پہلا اس کے نیچے سے نکلا۔ اسی اثناء میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آ گئے اور آپ کی داڑھی تھرا رہی تھی۔ نزول وحی کے وقت آپ پر لرزہ طاری ہو جایا کرتا تھا۔ پھر خداوند کریم نے سورۃ والضحیٰ نازل فرمائی۔ ابن حجر شرح بخاری میں لکھتے ہیں کہ بچہ سگ کی وجہ سے جبریل کے آنے میں دیر ہونے کا قصہ تو عام طور سے مشہور ہے لیکن اس قصہ کا کسی آیت کا سبب نزول ہونا عجیب و غریب قول ہے اور پھر اس حدیث کے اسناد میں ایک ایسا راوی بھی ہے جو معروف نہیں۔ اس لئے معتمد قول وہی ہے جو صحیح میں پایا جاتا ہے۔

اور اس امر کی ایک مثال وہ روایت بھی ہے جسے ابن جریر اور ابن ابی حاتم نے علی بن ابی طلحہ کے طریق پر ابن عباس سے روایت کیا ہے کہ جس وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ کی طرف ہجرت کی تو خدا نے آپ کو بیت المقدس کی طرف رخ کر کے نماز پڑھنے کا حکم دیا اور یہودی

لوگ اس بات سے بہت خوش ہوئے، دس سے چند مہینے زائد آپ کا قبلہ بیت المقدس میں رہا مگر آپ کے دل میں آرزو تھی کہ ہمارا قبلہ ابراہیم کے قبلہ کو بنایا جائے اور آپ برابر خدا سے دعا کرتے اور آسمان کی طرف (بانتظار وحی) دیکھا کرتے تھے چنانچہ خدا نے "فَوَلُّوا وَجُوهَكُمْ شَطْرَهُ نازل فرمایا۔ یہودی اس بات سے سخت گھبرائے اور شک میں پڑ کر کہنے لگے جس قبلہ کی طرف یہ رخ رکھتے تھے اُس سے اُن کے پھر جانے کی وجہ کیا ہوئی؟"" اور اس کے جواب میں خداوند عالم نے "قُلْ لِلّٰهِ الْمَشْرِقُ وَالْمَغْرِبُ فَأَيْنَمَا تُوَلُّوا فَثَمَّ وَجْهُ اللّٰهِ نازل فرمایا۔ اس کے متعلق حاکم وغیرہ راویوں نے ابن عمر سے روایت کی ہے کہ اُنہوں نے کہ "فَأَيْنَمَا تُوَلُّوا کا نزول اس لئے ہوا تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس سے حکم ملا کہ نفل نمازیں پڑھنے میں جدھر تمہاری سواری کا جانور منہ کرلے اُسی طرف نماز پڑھتے رہو۔ اسی طرح ترمذی نے بھی عامر بن ربیعہ کی یہ روایت ضعیف قرار دے کر بیان کی ہے کہ عامر نے کہا "کسی تاریک رات کو ہم لوگ سفر میں تھے اس لئے ہم کو پتہ نہیں لگا قبلہ کس طرف ہے اور ہم میں سے ہر شخص نے اپنے قیاس پر منہ کر کے نماز ادا کرلی۔ پھر جب صبح ہوئی تو ہم لوگوں نے اس بات کا ذکر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کیا۔ اُس وقت یہ آیت نازل ہوئی۔ دار قطنی نے بھی اس کے قریب قریب جابر کی حدیث سے ضعیف سند کے ساتھ اس کو روایت کیا ہے اور ابن جریر نے مجاہد سے روایت کی ہے کہ اُس نے کہا" جس وقت آیہ کریمہ ﴿وَقَالَ رَبُّكُمُ ٱدْعُونِىٓ أَسْتَجِبْ لَكُمْ ۚ إِنَّ ٱلَّذِينَ يَسْتَكْبِرُونَ عَنْ عِبَادَتِى سَيَدْخُلُونَ جَهَنَّمَ دَاخِرِينَ﴾ نازل ہوئی تھی لوگوں نے الی این کہا؟ یعنی کسی جانب؟ تو یہ آیت اتری، یہ حدیث مرسل ہے۔ اب چونکہ پہلی روایت صحیح ہے اور دوسری مرسل تو پہلی روایت سبب نزول قرار پائے گی۔

اسی قبیل کی مثال وہ حدیث بھی ہے جسے ابن مردویہ اور ابن ابی حاتم نے بطریق ابن اسحاق محمد بن ابی محمد سے اور محمد مذکور نے بواسطہ عکرمہ یا سعید کے ابن عباس سے روایت کیا ہے کہ اُنہوں نے کہا "امیہ بن خلف اور ابو جہل بن ہشام مع بہت سے قریش کے ممتاز لوگوں کے اپنے گھروں سے نکل کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے اور انہوں نے کہا "یا محمد ﷺ آؤ اور چل کر ہمارے دیوتاؤں کو چھولو اور ہم تمہارے ساتھ تمہارے دین میں داخل ہو جائیں۔ رسول اللہ ﷺ دل سے چاہتے تھے کہ اُن کی قوم کسی طرح اسلام قبول کرلے اس لئے آپ کا دل ان کی بات پر مائل ہو گیا اُس وقت خداوند کریم نے نازل فرمایا ﴿وَإِن كَادُوا۟ لَيَفْتِنُونَكَ عَنِ ٱلَّذِىٓ أَوْحَيْنَآ إِلَيْكَ لِتَفْتَرِىَ عَلَيْنَا غَيْرَهُۥ ۖ وَإِذًا لَّٱتَّخَذُوكَ خَلِيلًا﴾ اور پھر اس کے بارے میں ابن مردویہ نے عوفی کے طریق پر ابن عباس ہی سے روایت کی ہے کہ قبیلہ ثقیف نے رسول اللہ ﷺ سے کہا کہ آپ ہم کو ایک سال کی مہلت دیجئے تاکہ ہمارے دیوتاؤں کی نذریں اور چڑھاوے آجائیں پھر جب ہم ان چیزوں کو لے کر اپنے قبضہ میں کرلیں گے تو اُس وقت اسلام لے آئیں گے۔ رسول پاک اُنہیں مہلت دینے کا ارادہ کیا ہی تھا کہ یہ آیتیں نازل ہوئیں۔ اب یہ دوسری روایت چاہتی ہے کہ ان آیات کا نزول مدینہ میں ہوا ہو اور اس کے اسناد کمزور ہیں اور پہلی روایت ان آیات کا نزول مکہ میں ظاہر کرتی ہے جس کے ساتھ ہی اُس کے اسناد اچھے ہیں اور اُس کا ایک شاہد بھی ابی الشیخ کے پاس سعید بن جبیر کی روایت سے ملتا ہے جو اس کو صحیح کے درجہ تک ترقی دے دیتا ہے اس لئے یہی معتمد قول ہے۔

۴۔ اگر دونوں متضاد روایتوں کے اسناد صحت میں برابر ہوں تو اُن کی ایک دوسرے پر ترجیح پانے کی کیا صورت ہوگی؟ اس کا جواب یہ ہے کہ جس حدیث کا راوی معاملہ میں حاضر رہا ہوگا اور کوئی ترجیح کی وجہ اُس کے ساتھ پائی جائے تو اُس کی روایت راجح قرار دی جائے گی اُس کی مثال بخاری کی وہ روایت ہے جسے انہوں نے ابن مسعودؓ سے روایت کیا ہے کہ ابن مسعودؓ نے بیان کیا میں مدینہ میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ پھر رہا تھا اور آنحضرت کے ہاتھ میں شاخ کھجور کی ایک چھڑی تھی۔ آپ کا گزر چند یہودیوں کی طرف ہوا اور اُن میں سے کسی نے اپنے ساتھیوں سے کہا کہ اگر ہم اس وقت رسول اللہ ﷺ سے کچھ سوال کریں تو اچھا ہوگا پھر اُن سب نے حضور ﷺ سے روح کی حقیقت دریافت کی۔ رسول اللہ ﷺ ان کا سوال سن کر تھوڑی دیر کے لئے کھڑے ہو گئے اور اپنا سر اوپر کو اٹھالیا۔ میں سمجھ گیا کہ اس وقت آپ پر وحی نازل ہو رہی ہے یہاں تک کہ جب وحی کا سلسلہ منقطع ہو

گیاتو آپ نے فرمایا:﴿وَيَسْـَٔلُونَكَ عَنِ ٱلرُّوحِۖ قُلِ ٱلرُّوحُ مِنْ أَمْرِ رَبِّي وَمَآ أُوتِيتُم مِّنَ ٱلْعِلْمِ إِلَّا قَلِيلًا﴾ اور ترمذی نے صحیح قرار دے کر ابن عباس سے روایت کی ہے کہ اُنھوں نے کہا قریش والوں نے یہودیوں سے خواہش کی کہ ہمیں کوئی ایسی بات بتاؤ جس کو ہم اس شخص ﷺ سے دریافت کریں۔ یہودیوں نے اُن کو بتایا کہ تم رسول کریم سے روح کی حقیقت دریافت کرو اور قریش نے آپ سے یہی سوال کیا اُس وقت خداوند کریم نے نازل فرمایا وَيَسْتَلُونَكَ عَنِ الرُّوحُ لہٰذا یہ روایت چاہتی ہے کہ اس آیت کا نزول مکہ میں ہوا ہو اور پہلی روایت اس کے بالکل برعکس ہے یعنی آیت کا نزول مدینہ میں قرار دیتی ہے۔ اب یہ بات معلوم کرنی رہی کہ ترجیح کسی روایت کو دی جائے گی تو اُس کی نسبت علماء نے یہ کہا کہ " بخاری کی روایت دوسرے راویوں کی روایت سے زیادہ صحیح ہے اور ابن مسعود موقع واردات پر موجود تھے لہذا اس کو ترجیح دی گئی ہے۔

۵۔ یہ بھی ممکن ہے کسی آیت کا نزول دو یا چند اسباب کے بعد ہوا ہو جن کا ذکر کیا گیا ہے مگر اس طرح کہ ان میں سے کسی ایک کا دوسرے سے بعد یا فاصلہ پر ہونا معلوم نہیں ہو سکا جیسا کہ سابق کی آیتوں میں بیان ہو چکا ہے تو ایسی صورت میں آیت کا نزول ہر ایک سبب پر حمل کیا جائے گا۔ اُس کی مثال یہ ہے کہ بخاری نے عکرمہ کے طریق سے ابن عباس کی یہ حدیث روایت کی ہے کہ "ہلال بن امیہ نے اپنی بیوی پر نبی ﷺ کے روبرو شریک بن سمحاء کے ساتھ آلودہ ہونے کی تہمت لگائی۔ آنحضرت نے ہلال سے کہا اپنے دعوی پر ثبوت پیش کرو یا تمہیں غلط الزام دینے کی حد قذف دی جائے گی۔ ہلال نے عرض کیا یا رسول اللہ! اگر ہم میں کوئی شخص غیر مرد کو اپنی بیوی کے ساتھ چلتے دیکھے تو اُس سے دعوی کا ثبوت بھی مانگا جا سکتا ہے؟ اُس وقت رسول اللہ ﷺ پر یہ آیت نازل ہوئی:" ﴿وَٱلَّذِينَ يَرْمُونَ أَزْوَٰجَهُمْ وَلَمْ يَكُن لَّهُمْ شُهَدَآءُ إِلَّآ أَنفُسُهُمْ فَشَهَٰدَةُ أَحَدِهِمْ أَرْبَعُ شَهَٰدَٰتٍۭ بِٱللَّهِ إِنَّهُۥ لَمِنَ ٱلصَّٰدِقِينَ﴾ اور شیخین، سہل بن سعد سے روایت کرتے ہیں کہ تو میر عاصم بن عدی کے پاس آیا اور اُس سے کہا کہ تم رسول اللہ ﷺ سے استفسار کرو کہ حضور کے خیال میں اگر کوئی شخص اپنی بیوی کے ساتھ غیر مرد کو دیکھ کر اُس مرد کو قتل کر ڈالے تو اس قاتل کی بابت کیا حکم دیا جائے گا۔ آیا اس کو مقتول کے قصاص میں قتل کیا جائے گا یا کوئی اور سزا ملے گی؟ عاصم نے رسول اللہ ﷺ سے اس بات کو دریافت کیا تو آپ نے سائل کو بُرا ٹھہرایا۔ عاصم نے عویمر سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بات جا سنائی اور عویمر اُسے سن کر بولا' واللہ میں خود رسول اللہ ﷺ کے پاس جا کر اس معاملہ کی نسبت سوال کروں گا چنانچہ وہ آپ کے پاس آیا اور ان سے استفسار کیا۔ رسول اللہ ﷺ نے اُسے جواب دیا' تیرے اور تیری بیوی کے بارے میں قرآن نازل ہو چکا ہے... آخر حدیث تک علماء نے ان دونوں روایتوں کے اختلاف کو یوں مٹا کر جمع کر دیا ہے کہ پہلے یہ صورت ہلال بن امیہ کو پیش آئی تھی اور اتفاق سے اُسی وقت یا اُس کے قریب ہی عویمر بھی آ گیا اس لئے یہ آیت ایک ساتھ دونوں کے بارے میں نازل ہوئی۔ نووی بھی اسی قول کی جانب مائل ہوتے ہیں اور خطیب اُن پر سبقت کر کے یہ کہہ گئے ہیں کہ شاید ان دونوں شخصوں کو یہ اتفاق ایک ہی وقت میں پیش آیا تھا۔ پھر بزاز نے حذیفہ سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ابی بکر سے فرمایا"" اگر تم اُم رومان کے ساتھ کسی غیر مرد کو دیکھو تو اُس مرد کے ساتھ کیسا سلوک کرو؟" ابو بکر نے جواب دیا" بہت برا اس کے بعد رسول اللہ ﷺ عمر کی طرف مخاطب ہوئے اور کہا" اور تم اے عمر، عمر نے جواب دیا" میں تو یہ کہتا ہوں کہ خدا عاجز رہنے والے پر لعنت کرے اور وہ بڑا ہی خبیث ہے (یعنی جو شوہر اپنی بیوی کے "ساتھ غیر مرد کو دیکھ کر چپ ہو رہے اُس پر لعنت ہو اور وہ بڑا برا آدمی ہے) چنانچہ اس موقع پر مذکورہ بالا آیت نازل ہوئی۔ ابن حجر کہتے ہیں تعدد اسباب کی مانع کوئی بات نہیں ہو سکتی۔

۶۔ اور اگر ایک آیت کے لیے کئی کئی اسباب کا زمانہ نزول تسلیم کرنا ممکن نہ ہو تو جس آیت کے اسباب میں تعدد پایا جائے اُس کا نزول کئی بار اور مکرر بھی مان لیا جائے گا۔

مثلاً شیخین نے مسیب سے روایت کی ہے کہ ابو طالب کی وفات کا وقت قریب آ گیا اور اُن پر جان کنی کا عالم طاری ہوا تو رسول اللہ ﷺ اُن کے پاس گئے اس وقت ابی طالب کے قریب ابو جہل اور عبد اللہ بن ابی امیہ بیٹھے ہوئے تھے۔ رسول اللہ ﷺ نے ابی طالب سے کہا چچا! تم صرف لا الہ الا اللہ کہہ دو میں اس کے ذریعہ سے خدا کے روبرو تمہارے ایمان پر دلیل قائم کروں گا۔ یہ سن کر ابو جہل اور عبد اللہ بن ابی امیہ دونوں کہنے لگے:" ابو طالب! کیا تم عبد المطلب کے مذہب سے پھر جانا پسند کرو گے؟ اور پھر دیر تک اُن سے اس بارے میں باتیں کرتے رہے یہاں تک کہ ابو طالب نے کہہ

دیا کہ وہ عبد المطلب ہی کے دین پر قائم ہیں۔ رسول اللہ ﷺ یہ بات سن کر بولے مگر یہ ضروری ہے کہ جب تک میں خدا کی طرف سے روکا نہ جاؤں اُس وقت تک تمہارے لئے مغفرت کی دعا کرتا رہوں گا، اس وقت یہ آیت نازل ہوئی

﴿مَا كَانَ لِلنَّبِيِّ وَٱلَّذِينَ ءَامَنُوٓاْ أَن يَسۡتَغۡفِرُواْ لِلۡمُشۡرِكِينَ وَلَوۡ كَانُوٓاْ أُوْلِي قُرۡبَىٰ مِنۢ بَعۡدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُمۡ أَنَّهُمۡ أَصۡحَٰبُ ٱلۡجَحِيمِ﴾

اور امام ترمذی نے ایک حدیث حسن قرار دے کر حضرت علی سے روایت کی ہے کہ اُنہوں نے کہا۔ میں نے ایک شخص کو اپنے والدین کے لئے دعائے طلب مغفرت کرتے سنا بحالیکہ وہ مشرک تھے۔ میں نے حیرت میں آکر اُس شخص سے دریافت کیا "تم اپنے ماں باپ کے لئے مغفرت کی دعا کرتے: ہو وہ تو مشرک تھے۔ اُس شخص نے جواب دیا" ابراہیم نے اپنے باپ کے لئے مغفرت کی دعا مانگی ہے۔ وہ بھی تو مشرک تھا۔ حضرت علی کہتے ہیں میں نے اس بات کا ذکر رسول اللہ ﷺ سے کیا تو اُس وقت یہ آیت نازل ہوئی

اور حاکم وغیرہ نے ابن مسعودؓ سے روایت کی ہے کہ ایک دن رسول اللہ ﷺ قبرستان کی طرف نکل گئے اور وہاں ایک قبر کے نزدیک بیٹھ کر دیر تک مناجات کرتے رہے اور پھر رو کر فرمایا۔ میں جس قبر کے پاس بیٹھا تھا یہ میری ماں کی قبر ہے اور میں نے خداوند کریم سے اُس کے لئے دعا کرنے کی اجازت مانگی تھی مگر خدا نے مجھے اجازت نہیں دی اور یہ آیت نازل کی ہے مَا كَانَ لِلنَّبِيِّ وَالَّذِينَ. آمنوا أَنْ يَسْتَغْفِرُوا لِلْمُشْرِكِينَ "چنانچہ ان سب حدیثوں کو آیت کا متعدد بار نازل ہونا تسلیم کر کے جمع کیا گیا ہے

اور اس کی ایک مثال یہ بھی ہے کہ بیہقی اور بزار نے ابی ہریرہ سے روایت کی ہے نبی ﷺ حمزہ کے شہید ہونے کے بعد ان کی لاش پر کھڑے ہوئے تھے اور حضرت حمزہ کی لاش مثلہ کر دی گئی تھی۔ رسول اللہ ﷺ نے لاش سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا "بے شک میں کفار میں سے ستر آدمیوں کو تمہارے عوض میں مثلہ بناؤں گا، یہ کہنے کے بعد ابھی رسول اللہ ﷺ اُس جگہ کھڑے ہی تھے کہ جبریل امین سورۃ النحل کے خاتمہ کی آیتیں لے کر نازل ہوئے" ﴿وَإِنۡ عَاقَبۡتُمۡ فَعَاقِبُواْ بِمِثۡلِ مَا عُوقِبۡتُم بِهِۦۖ وَلَئِن صَبَرۡتُمۡ لَهُوَ خَيۡرٌ لِّلصَّٰبِرِينَ﴾ تا آخر سورۃ.

امام ترمذی اور حاکم نے اُبی بن کعب سے روایت کی ہے کہ معرکہ احد میں ۶۴ انصاری اور ۶ مہاجر مسلمان شہید ہوئے تھے منجملہ ان کے حمزہ بھی تھے جن کو مشرکین نے مثلہ کر ڈالا تھا۔ انصاری لوگوں نے اس حالت کو مشاہدہ کر کے کہا "اگر ہم بھی کفار پر کسی معرکہ میں فتح پائیں گے تو اس سے بدرجہا بڑھ کر برا سلوک اُن کے مقتولین کے ساتھ کریں گے چنانچہ فتح مکہ کا دن آیا تو خداوند کریم نے "وَإِنْ عَاقَبتُم کو نازل فرمایا اس حدیث سے ظاہر ہوتا ہے کہ ان آیتوں کے نزول میں سے مکہ کے دن تک تاخیر ہوئی ہے اور قبل کی حدیث ان کا نزول معرکہ اُحد کے موقع پر عیاں کرتی ہے ابن الحصار کہتا ہے ان حدیثوں کو جمع کرنے کے لئے کہا جائے گا کہ آخر سورۃ النحل کا نزول پہلے قابل از ہجرت مکہ میں ہو چکا تھا کیونکہ وہ سورۃ ہی مکیہ ہے اور اُسی کے ساتھ سب آیتیں نازل ہوئی تھیں۔ پھر دوبارہ ان آیات کا نزول معرکہ احد کے موقع پر ہوا اور سہ بارہ فتح مکہ کے دن جس سے خدا کا مقصود اپنے بندوں کو بار بار یاد دلانا تھا۔

سوال نمبر 19۔ اگر راوی وہم میں مبتلا ہو کر لفظ فتلا کی جگہ فنزل کہہ دے تو کیا یہ سبب نزول شمار ہو گا؟

بعض اوقات دو قصوں میں سے کسی ایک میں فَتَلَا" کا لفظ ہوتا ہے مگر راوی وہم میں مبتلا ہو کر اُس کی جگہ فَنَزَلَ روایت کر جاتا ہے اور ان کے معنوں کا فرق ظاہر ہے کیونکہ تلاوت کرنا امر آخر ہے اور آیت کا نازل ہونا شئے دیگر۔ اس کی مثال یوں سمجھنی چاہئے کہ ترمذی نے ابن عباس سے صحیح قرار دے کر روایت کی ہے کہ ایک یہودی رسول اللہ ﷺ کی طرف ہو کر جا رہا تھا پھر وہ آپ کے روبرو چلا آیا اور بولا کہ "ابو القاسم ﷺ! تم اس بارے میں کیا کہتے ہو کہ اگر خداوند کریم آسمانوں کو ایک انگلی پر زمین کو دوسری سمندروں کو تیسری، پہاڑوں کو چوتھی اور تمام مخلوقات کو پانچویں اُنگلی پر

رکھ لے؟ اُسی وقت خدا نے نازل فرمایا" وَمَا قَدَرُوا اللّٰهَ حَقَّ قَدْرِہٖ . اور یہ حدیث صحیح بخاری میں فتلا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لفظ کے ساتھ آئی ہے اور وہی درست ہے کیونکہ یہ آیت مکیہ ہے

اور اس کی دوسری مثال وہ حدیث ہے جسے بخاری نے انس سے روایت کیا ہے کہ انس نے کہا عبد اللہ بن سلام نے رسول اللہ ﷺ کی آمد آمد کی خبر سنی تو وہ آپ کے پاس آیا اور اُس نے کہا میں آپ سے تین ایسی باتیں دریافت کرتا ہوں جن کو نبی کے سوا کوئی اور نہیں جانتا (1) قیامت کا پہلا نشان کیا ہے؟ (۲) اہل جنت کا پہلا کھانا کیا ہوگا (۳) اور کون سی چیز اولاد کو اُس کے باپ یا ماں سے مشابہ کرتی ہے؟ رسول اللہ نے فرمایا "جبریل نے ان باتوں کی خبر مجھے اس وقت دی ہے "عبد اللہ بن سلام نے دریافت کیا، کیا جبریل نے؟ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہاں! عبد اللہ بن سلام یہ سن کر کہنے لگا" یہ فرشتہ یہودیوں کا دشمن ہے اُس وقت رسول اللہ ﷺ نے یہ آیت پڑھی ﴿قُلْ مَن كَانَ عَدُوًّا لِّجِبْرِيلَ فَإِنَّهُۥ نَزَّلَهُۥ عَلَىٰ قَلْبِكَ بِإِذْنِ ٱللَّهِ مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ وَهُدًى وَبُشْرَىٰ لِلْمُؤْمِنِينَ﴾ ابن حجر شرح بخاری میں کہتے ہیں کہ سیاق عبارت سے رسول اللہ ﷺ کا یہودیوں کی تردید کی غرض سے اس آیت کو پڑھنا سمجھ میں آتا ہے اور اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ آیت اُسی وقت اُتری ہو پھر ابن حجر کہتا ہے کہ یہی بات معتمد بھی ہے کیونکہ اس آیت کے سبب نزول میں ایک اور قصہ ابن سلام کے قصہ کے علاوہ بھی صحیح ثابت ہوا ہے۔

سوال نمبر 20۔ کیا متفرق آیتوں کے نزول کا ایک ہی سبب ہو سکتا ہے؟

جی ہاں، متفرق آیتوں کے نزول کا ایک ہی سبب بیان ہوتا ہے اور اس بات میں کوئی اشکال نہیں ہے کیونکہ کبھی ایک ہی واقعہ کے متعلق کئی آیتوں کا بھی متفرق سورتوں میں نزول ہوا ہے۔ اس شکل کی مثال وہ روایت ہے جس کو ترمذی اور حاکم نے بی بی اُم سلمہ سے روایت کیا ہے کہ "اُم المؤمنین ام سلمہ نے عرض کیا یا رسول اللہ! میں خدا کو ہجرت کے معاملہ میں عورتوں کا کچھ بھی ذکر کرتے نہیں سنتی؟ اُسی وقت خدا نے ﴿فَٱسْتَجَابَ لَهُمْ رَبُّهُمْ أَنِّي لَآ أُضِيعُ عَمَلَ عَٰمِلٍ مِّنكُم مِّن ذَكَرٍ أَوْ أُنثَىٰ ۖ بَعْضُكُم مِّنۢ بَعْضٍ ۖ فَٱلَّذِينَ هَاجَرُوا۟ وَأُخْرِجُوا۟ مِن دِيَٰرِهِمْ وَأُوذُوا۟ فِي سَبِيلِي وَقَٰتَلُوا۟ وَقُتِلُوا۟ لَأُكَفِّرَنَّ عَنْهُمْ سَيِّـَٔاتِهِمْ وَلَأُدْخِلَنَّهُمْ جَنَّٰتٍ تَجْرِي مِن تَحْتِهَا ٱلْأَنْهَٰرُ ثَوَابًا مِّنْ عِندِ ٱللَّهِ ۗ وَٱللَّهُ عِندَهُۥ حُسْنُ ٱلثَّوَابِ﴾ نازل فرمائی اور حاکم نے بی بی ام سلمہ ہی سے روایت کی ہے کہ اُنہوں نے کہا میں نے رسول اللہ ﷺ سے عرض کیا کہ "خدا مردوں کا ذکر کرتا ہے مگر عورتوں کا ذکر نہیں کرتا" اُس وقت آیۃ کریمہ" إِنَّ الْمُسْلِمِيْنَ وَالْمُسْلِمَاتِ اور اور آیہ کریمہ "آنی لا لا أُضِيعُ عَمَلَ عَامِلٍ مِنْكُمْ مِنْ مِنْ ذَكَرٍ ذَكَرٍ أَوْ أَوْ أُنْثَیٰ دونوں نازل ہوئیں اور نیز حاکم ہی نے انہی بی بی صاحبہ سے روایت کی ہے کہ اُنہوں نے کہا "مرد جہاد کرتے ہیں اور عورتیں جہاد نہیں کرتیں اور پھر ہمارے لئے صرف آدھی میراث ہے تو اُس وقت خداوند پاک نے نازل فرمایا" ﴿وَلَا تَتَمَنَّوْا۟ مَا فَضَّلَ ٱللَّهُ بِهِۦ بَعْضَكُمْ عَلَىٰ بَعْضٍ ۚ لِّلرِّجَالِ نَصِيبٌ مِّمَّا ٱكْتَسَبُوا۟ ۖ وَلِلنِّسَآءِ نَصِيبٌ مِّمَّا ٱكْتَسَبْنَ ۚ وَسْـَٔلُوا۟ ٱللَّهَ مِن فَضْلِهِۦٓ ۗ إِنَّ ٱللَّهَ كَانَ بِكُلِّ شَىْءٍ عَلِيمًا﴾ اور نیز نازل فرمایا ﴿إِنَّ ٱلْمُسْلِمِينَ وَٱلْمُسْلِمَٰتِ وَٱلْمُؤْمِنِينَ وَٱلْمُؤْمِنَٰتِ وَٱلْقَٰنِتِينَ وَٱلْقَٰنِتَٰتِ وَٱلصَّٰدِقِينَ وَٱلصَّٰدِقَٰتِ وَٱلصَّٰبِرِينَ وَٱلصَّٰبِرَٰتِ وَٱلْخَٰشِعِينَ وَٱلْخَٰشِعَٰتِ وَٱلْمُتَصَدِّقِينَ وَٱلْمُتَصَدِّقَٰتِ وَٱلصَّٰٓئِمِينَ وَٱلصَّٰٓئِمَٰتِ وَٱلْحَٰفِظِينَ فُرُوجَهُمْ وَٱلْحَٰفِظَٰتِ وَٱلذَّٰكِرِينَ ٱللَّهَ كَثِيرًا وَٱلذَّٰكِرَٰتِ أَعَدَّ ٱللَّهُ لَهُم مَّغْفِرَةً وَأَجْرًا عَظِيمًا﴾

اور اس قسم کی دوسری مثال وہ حدیث ہے جسے بخاری نے زید بن ثابت کی حدیث سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اُن کو لکھنے کے لئے آیت کریمہ" ﴿لَّا يَسْتَوِي ٱلْقَٰعِدُونَ مِنَ ٱلْمُؤْمِنِينَ غَيْرُ أُو۟لِي ٱلضَّرَرِ وَٱلْمُجَٰهِدُونَ فِي سَبِيلِ ٱللَّهِ بِأَمْوَٰلِهِمْ وَأَنفُسِهِمْ ۚ فَضَّلَ ٱللَّهُ ٱلْمُجَٰهِدِينَ بِأَمْوَٰلِهِمْ وَأَنفُسِهِمْ عَلَى ٱلْقَٰعِدِينَ دَرَجَةً ۚ وَكُلًّا وَعَدَ ٱللَّهُ ٱلْحُسْنَىٰ ۚ

وَفَضَّلَ ٱللَّهُ ٱلْمُجَٰهِدِينَ عَلَى ٱلْقَٰعِدِينَ أَجْرًا عَظِيمًا ﴾ ائی تو ابن ام مکتوم آپ کے پاس حاضر ہوئے اور اُنہوں نے عرض کیا یا رسول اللہ! میں جہاد کرنے پر قادر ہوتا تو ضرور کرتا اور وہ اندھے تھے لہذا خداوند کریم نے غَيْرُ أُوْلِي ٱلضَّرَرِ نازل فرمایا۔ پھر ابن ابی حاتم نے بھی زید بن ثابت ہی سے روایت کی ہے کہ انہوں نے کہا "میں رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں وحی کے لکھنے پر مامور تھا جس حال میں کہ میں قلم کان پر رکھے ہوئے تھا (یعنی تیار تھا کہ آپ کچھ بتائیں تو لکھو کہ یکایک آپ کو جنگ کا حکم دیا گیا۔ پھر رسول اللہ ﷺ اس بات کا انتظار کرنے لگے کہ نازل شدہ حکم پر اور کیا حکم اُترتا ہے۔ اسی اثناء میں ایک اندھا شخص آیا آج اور اُس نے کہا یا رسول اللہ میرے لئے کیا ہو سکتا ہے؟ میں تو اندھا ہوں۔ پس اُس وقت ﴿لَّيْسَ عَلَى ٱلضُّعَفَآءِ وَلَا عَلَى ٱلْمَرْضَىٰ وَلَا عَلَى ٱلَّذِينَ لَا يَجِدُونَ مَا يُنفِقُونَ حَرَجٌ إِذَا نَصَحُواْ لِلَّهِ وَرَسُولِهِۦ ۚ مَا عَلَى ٱلْمُحْسِنِينَ مِن سَبِيلٍ ۚ وَٱللَّهُ غَفُورٌ رَّحِيمٌ﴾ نازل ہوئی۔

تیسری مثال اس بارے میں ابن جریر کی وہ روایت ہے جسے اُس نے ابن عباس سے نقل کیا ہے کیا ہے۔ ابن عباس نے کہا رسول اللہ ﷺ ایک پتھر کے سایہ میں بیٹھے ہوئے تھے کہ آپ نے صحابہ سے فرمایا "اس وقت تمہارے پاس ایک ایسا آدمی آئے گا جو دو شیطانوں کی آنکھوں سے دیکھتا ہو گا۔ اسی اثناء میں ایک آدمی نمایاں ہوا اور رسول اللہ ﷺ نے اس کو اپنے حضور میں بلا کر فرمایا "تو اور تیرے ساتھی مجھ کو برا بھلا کیوں کہہ رہے تھے؟" وہ آدمی اس بات کو سن کر واپس گیا اور اپنے ساتھیوں کو بھی آپ کے روبرو لے آیا جہاں اُن سبھوں نے خدا کی قسم کھا کر کہا انہوں نے کچھ نہیں کہا ہے یہاں تک کہ رسول کریم ﷺ نے اُن کی خطا سے درگزر کی اس موقعہ پر خدا نے یہ آیت نازل فرمائی ﴿ يَحْلِفُونَ بِٱللَّهِ مَا قَالُواْ وَلَقَدْ قَالُواْ كَلِمَةَ ٱلْكُفْرِ وَكَفَرُواْ بَعْدَ إِسْلَٰمِهِمْ وَهَمُّواْ بِمَا لَمْ يَنَالُواْ ۚ وَمَا نَقَمُوٓاْ إِلَّآ أَنْ أَغْنَىٰهُمُ ٱللَّهُ وَرَسُولُهُۥ مِن فَضْلِهِۦ ۚ فَإِن يَتُوبُواْ يَكُ خَيْرًا لَّهُمْ ۖ وَإِن يَتَوَلَّوْاْ يُعَذِّبْهُمُ ٱللَّهُ عَذَابًا أَلِيمًا فِى ٱلدُّنْيَا وَٱلْءَاخِرَةِ ۚ وَمَا لَهُمْ فِى ٱلْأَرْضِ مِن وَلِىٍّ وَلَا نَصِيرٍ﴾ اور حاکم اور احمد نے اسی روایت کو ان الفاظ کے ساتھ بیان کیا ہے کہ "اور رسول اللہ ﷺ نے اُس شخص کو ٹھہرا لیا۔ پھر خدا نے اپنا یہ کلام نازل فرمایا ﴿يَوْمَ يَبْعَثُهُمُ ٱللَّهُ جَمِيعًا فَيَحْلِفُونَ لَهُۥ كَمَا يَحْلِفُونَ لَكُمْ وَيَحْسَبُونَ أَنَّهُمْ عَلَىٰ شَىْءٍ ۚ أَلَآ إِنَّهُمْ هُمُ ٱلْكَٰذِبُونَ﴾

آیتوں اور سورتوں کی مناسبت

سوال نمبر 1۔ نظم قرآن یا آیتوں اور سورتوں کی مناسبت میں علامہ سیوطی نے الاتقان میں کن کن کتابوں کا ذکر کیا ہے؟

ا۔ علامہ ابو جعفر بن الزبیر شیخ ابی حیان کی کتاب البرہان فی مناسبۃ ترتیب سور القرآن

۲۔ شیخ برہان الدین بقاعی کی کتاب نظم الدرر فی مناسبہ آلائی والسور۔

۳۔ علامہ جلال الدین سیوطی کی اپنی کتاب تناسق الدرر فی تناسب السور

سوال نمبر 2۔ آیتوں اور سورتوں کے باہمی مناسبت کے حوالے سے اقوال آئمہ بیان کریں۔

ا۔ علامہ جلال الدین سیوطی: مناسبت کا علم نہایت شریف علم ہے۔

۲۔ امام فخر الدین رازی: قرآن شریف کے اکثر لطائف (خوبیاں) اُس کی ترتیبوں اور روابط میں ودیعت رکھی گئی ہیں۔

۳۔ علامہ ابن العربی: قرآن کی آیتوں کا ایک دوسری کے ساتھ یوں ربط دینا کہ وہ سب مل کر ایک باہم مناسبت رکھنے والے الفاظ اور مسلسل معانی کا کلمہ ہو جائے یہ نہایت شریف اور عظیم علم ہے۔

۴۔ شیخ عزالدین بن عبد السلام: مناسبت ایک عمدہ علم ہے مگر ارتباط کلام کے حسن میں یہ بات شرط ہے کہ وہ کسی ایسے کلام کے پیچھے واقع ہو جو کہ متحد ہو اور اُس کا اول اُس کے آخر کے ساتھ ربط رکھتا ہو۔

سوال نمبر3۔ابن العربی مناسبت کے علم کے حوالے اپنا کردار کیسے واضح کرتے ہیں؟

آپ کہتے ہیں کہ بجز ایک عالم کے کسی نے اس کو ہاتھ نہیں لگایا ہے اُس نے بھی سورۃ البقرہ میں اس کو استعمال کیا تھا اور پھر اللہ پاک نے یہ دروازہ ہم پر کھول دیا مگر جبکہ ہم نے اُس کے واسطے کوئی اٹھانے والا شخص نہیں پایا (یعنی اس کا کوئی طالب نہ نظر آیا) اور تمام خلق کو ست و کاہل لوگوں کی طرح دیکھا تو اس مبحث کو مہر کر کے نہ کرر کھا اور یہ رمز اپنے اور خدا تعالیٰ کے مابین ہی تک محدود رکھ کر اس کا تکملہ اُس کی مرضی پر چھوڑ دیا۔

سوال نمبر4۔علم مناسبات کو سب سے پہلے کس عالم نے ظاہر کیا؟

سب سے پہلے شیخ ابو بکر نیشاپوری نے علم مناسبات کو ظاہر کیا تھا۔وہ بڑا ذی علم شخص اور شریعت اور ادب کا بہت بڑا ماہر تھا وہ آیت الکرسی کی بابت جبکہ اُس کے سامنے پڑھی جاتی یہ کہا کرتا تھا کہ یہ آیت اس آیت کے پہلو میں کیوں رکھی گئی ہے؟ اور اس سورۃ کو فلاں سورۃ کے برابر اور پہلو بہ پہلو لانے میں کیا حکمت ہے؟ شیخ مذکور علمائے بغداد پر طعن کیا کرتا تھا کیونکہ اُن لوگوں کو مناسبت کا کچھ بھی علم نہ تھا۔

سوال نمبر5۔شیخ ولی الدین ملوی مناسبات کے علم پر اعتراض کرنے والوں کو کیا جواب دیتے ہیں؟

شیخ ولی الدین ملوی کا قول ہے کہ جس شخص نے یہ کہا ہے کہ آیات کریمات کے لئے کسی مناسبات کا تلاش کرنا درست نہیں۔وہ شخص وہم میں مبتلا نظر آتا ہے۔کیونکہ اس نے عدم ضرورت اور نادرستی کی وجہ آیات قرآن کا متفرق واقعات کی نسبت نازل ہونے کو قرار دیا ہے اور اس بات میں قول فیصل یہ ہے کہ قرآن کریم کی آیتیں نزول کے اعتبار سے بحسب واقعات اتری ہیں اور حکمت کے لحاظ سے باہم ترتیب دی گئی اور وصل کی گئی ہیں۔ چنانچہ مصحف مجید بالکل اُسی قرآن کے موافق ہے جو کہ لوح محفوظ میں مندرج ہے۔اس کی تمام سورتیں اور آیتیں توقیف کے ساتھ ترتیب دی گئی ہے اور وہ بالکل ویسا ہی مرتب ہوا ہے جیسا کہ بیت العزۃ میں نازل کیا گیا تھا۔قرآن کا کھلا ہوا معجزہ اُس کا اسلوب بیان اور روشن نظم عبارت ہے۔ہے۔ہر ایک آیت میں جس امر کا تلاش کرنا سزاوار ہے وہ یہ بات ہے کہ سب سے پہلے اس آیت کا اپنے ماقبل کی تکمیل کرنے والی ہونا یا اُس کا مستقل ہونا دریافت کیا جائے اور پھر یہ بات معلوم کرنے کی فکر کی جائے کہ آیت مستقلہ کی اُس کے ماقبل کے ساتھ مناسبت ہونے کی کیا وجہ ہے کیونکہ اس بات میں بہت پورا اور مکمل علم ہے۔اور اسی طرح سورتوں میں اُن کے کامات اتصال کی وجہ تلاش کرنا چاہئے کہ آخر وہ اپنے ماقبل کے ساتھ کسی طرح کا اتصال رکھتی ہیں اور اُن کا سیاق کس سبب سے کی ہوا ہے۔الخ

سوال نمبر6۔امام فخر الدین رازی مناسبت آیات کے کیا فوائد بیان کرتے ہیں؟

امام رازی سورۃ البقرہ کے بیان میں کہتے ہیں کہ جو شخص اس سورۃ کے نظم کے لطائف اور اس کی ترتیب کے بدائع میں تامل کرے گا وہ بخوبی معلوم کرلے گا کہ جس طرح پر قرآن اپنے الفاظ کی فصاحت اور اپنے معانی کے شرف کے سبب سے معجزہ ہے وہ اپنی ترتیب اور نظم آیات کے اعتبار سے بھی معجزہ ہے۔

سوال نمبر7۔مناسبت کا لغوی اور اصطلاحی معنی بیان کریں۔

مناسبت کے لغوی معنی ہم شکل اور باہم قریب قریب ہونے کے ہیں۔اور آیات یا اُن کی مثل چیزوں میں مناسبت کا مرجع ایک ایسے رابط معنی کے جانب ہوا کرتا ہے جو کہ ان آیات کے مابین ہو۔وہ معنی عام وخاص عقلی ہو یا حسی اور یا خیالی وغیرہ عام وخاص یا اُس کے ماسوا علاقات کی دوسری نوعیں ہوں یا تلازم ذہنی ہو مثلاً سبب اور مسبب، علت اور معلول، نظیریں اور ضدیں اور انہی کے مانند دیگر امور۔

سوال نمبر8۔علم مناسبات کا کیا فائدہ ہے؟

علم مناسبت کا فائدہ یہ ہے کہ وہ اجزائے کلام میں سے ایک دوسرے کو باہم بستہ اور پیوستہ بنا دیتی ہے اور اس طریقہ سے ارتباط کلام کی قوت بہت بڑھ جاتی ہے اور تالیف کلام کا حال اُس عمارت کی طرح ہو جاتا ہے جو کہ نہایت محکم اور متناسب اجزاء رکھنے والی ہو۔

سوال نمبر 9۔ آیات کی باہمی مناسبت کتنے اعتبار سے ہوتی ہے؟

ا۔ ایک آیت کا دوسری آیت کے بعد ذکر کیا جانا یا تو کلمات کے باہم ایک دوسرے کے ساتھ تعلق رکھنے اور اس کے محض پہلی آیت ہی کے ساتھ کلام تام نہ ہونے کے باعث ظاہر الارتباط ہوگا اور یہ ارتباط نہایت واضح ہے

۲۔ اسی طرح جس وقت کہ دوسری آیت پہلی آیت کے واسطے تاکید تفسیر اعتراض یا بدل پڑنے کی وجہ پر آئے ہوگی اور اس قسم میں بھی ارتباط ہونے کی بابت کوئی کلام نہیں ہے۔

۳۔ یا یہ صورت ہوگی کہ ارتباط کا اظہار نہ ہوگا بلکہ ظاہر یہ ہوگا کہ ہر ایک جملہ دوسرے جملہ سے مستقل اور بجائے خود الگ ہے اور وہ اُس نوع کے بالکل خلاف ہے جس یہ کے ساتھ کلام کی ابتدا کی گئی ہے۔ تو ایسی حالت میں یا تو پہلی آیت دوسری آیت پر کسی ایسے حرف عطف کے ساتھ معطوف ہوگی جو کہ حکم میں شریک بنانے والا ہے اور یا معطوف نہ ہوگی۔

(الف) اگر وہ معطوف ہے تو ضروری ہے کہ اُن دونوں آیتوں کی تقسیم پہلے بیان ہو چکی ہے اور کوئی باہم جمع کرنے والی جہت پائی جائے۔ مثلاً قولہ تعالیٰ ﴿يَعْلَمُ مَا يَلِجُ فِي ٱلْأَرْضِ وَمَا يَخْرُجُ مِنْهَا وَمَا يَنزِلُ مِنَ ٱلسَّمَآءِ وَمَا يَعْرُجُ فِيهَا ۚ وَهُوَ ٱلرَّحِيمُ ٱلْغَفُورُ﴾ اور قولہ تعالیٰ ﴿مَّن ذَا ٱلَّذِي يُقْرِضُ ٱللَّهَ قَرْضًا حَسَنًا فَيُضَٰعِفَهُۥ لَهُۥٓ أَضْعَافًا كَثِيرَةً ۚ وَٱللَّهُ يَقْبِضُ وَيَبْصُۜطُ وَإِلَيْهِ تُرْجَعُونَ﴾ بوجہ اس کے کہ قبض (بستگی) اور بسط (کشادگی) کے مابین اور دلوج یعنی داخل ہونے اور خروج یعنی نکلنے اور نزول وعروج کے مابین تضاد پایا جاتا ہے اور سماء اور ارض کے مابین شبہ تضاد موجود ہے۔ اور ایسی باتوں میں سے کہ جن میں کلام کا تضاد ہوا کرتا ہے۔ عذاب کے بعد رحمت کا اور رہبت (خوف دلانے) کے بعد رغبت (ترغیب دینے) کا ذکر ہے۔ اور قرآن کا دستور ہے کہ جس موقع پر وہ کچھ احکام کا ذکر کرتا ہے وہاں اُن کے بعد وعد یا وعید کا تذکرہ بھی ضرور کر دیتا ہے تا کہ یہ وعدہ یا دھمکی پہلے بیان کئے گئے احکام پر عمل کرنے کے لئے برانگیختہ کرے اور اس کے بعد توحید اور تنزیہ کی آیتیں ذکر فرماتا ہے تا کہ ان سے حکم دینے والے اور نہی کرنے والے (خدا تعالیٰ) کی عظمت معلوم ہو۔ تم سورۃ البقرۃ مائدہ اور النساء کو بغور دیکھو گے تو اُن کو ایسی ہی سورتیں پاؤ گے۔

(ب) لیکن اگر وہ دوسری آیت پہلی پر معطوف نہ ہو تو اُس وقت میں ضروری ہے کہ کوئی قوی وجہ اتصال کلام کا علم دلانے والی وہاں پائی جاتی ہو۔ اور یہ وجوہ مخفی قرینے ہوا کرتے ہیں جو کہ ربط کلام کو معلوم کراتے ہیں۔

سوال نمبر 10۔ مناسبت آیات کے ضمن میں قرینہ تنظیر سے کیا مراد ہے؟

قرآن پاک کی آیات میں سے ہر ایک جملہ دوسرے جملہ سے مستقل اور الگ جملہ ہے اور ان کے درمیان حرف عطف موجود نہیں تو وہاں پر ان کے باہمی ربط کے قرینے دیکھیں جائیں گے اور ان قرینوں کے بہت سے اسباب ہیں از انجملہ ایک سبب ہے تنظیر، کیونکہ نظیر کا الحاق اُس کے نظیر (مانند) کے ساتھ عقل مند لوگوں کی شان ہے۔ مثلاً قولہ تعالیٰ ﴿كَمَآ أَخْرَجَكَ رَبُّكَ مِنۢ بَيْتِكَ بِٱلْحَقِّ وَإِنَّ فَرِيقًا مِّنَ ٱلْمُؤْمِنِينَ لَكَٰرِهُونَ﴾ کہ یہ بات خدا تعالیٰ نے اپنے قول ﴿أُو۟لَٰٓئِكَ هُمُ ٱلْمُؤْمِنُونَ حَقًّا ۚ لَّهُمْ دَرَجَٰتٌ عِندَ رَبِّهِمْ وَمَغْفِرَةٌ وَرِزْقٌ كَرِيمٌ﴾ کے عقب میں فرمائی ہے کیونکہ یہاں اللہ پاک نے اپنے رسول ﷺ کو تقسیم اموال غنیمت کے بارہ میں باوجود اُن کے اصحاب کی نارضامندی کے اُسی طرح اپنے ہی حکم پر چلنے کا امر فرمایا جس طرح کہ آپ ﷺ قافلۂ قریش کی تلاش یا جنگ کے لئے اپنے گھر سے نکلنے کے بارہ میں حکم الٰہی پر کاربند ہوئے تھے اور اصحاب رسول ﷺ اس بات کو ناپسند کرتے تھے۔ اور اُس کا مقصد یہ ہے کہ اصحاب نبی ﷺ کا آپ کی تقسیم غنائم کے بارہ میں برا ماننا ویسا ہی ہے جیسا کہ وہ جنگ کے لئے گھر سے نکلتے وقت برا مانتے تھے اور خروج (جہاد کے لئے نکلنے) کے بارہ میں فتح و نصرت نے برا اور حصول غنیمت کی بہتری کا ذکر اور اسلام کی عزت کا بیان کر دیا گیا ہے۔ لہٰذا گویا بتایا گیا کہ اسی طرح رسول اللہ ﷺ کے فعل تقسیم غنیمت میں بھی بہتری ہوگی اس لئے چاہئے کہ اصحاب نبی ﷺ حکم ربانی کی اطاعت کریں اور اپنی نفسانی خواہشوں کو ترک کر دیں۔

سوال نمبر11۔مناسبت آیات کے ضمن میں قرینہ مضادہ سے کیا مراد ہے؟

قرآن پاک کی آیات میں سے ہر ایک جملہ دوسرے جملہ سے مستقل اور الگ جملہ ہے اور ان کے درمیان حرف عطف موجود نہیں تو وہاں پر ان کے باہمی ربط کے قرینے دیکھیں جائیں گے اور ان قرینوں کے بہت سے اسباب ہیں از انجملہ ایک سبب ہے مضادہ، یعنی باہم ایک دوسرے کی ضد (خلاف) ہونا مثلاً سورۃ البقرہ میں قولہ تعالیٰ ﴿إِنَّ ٱلَّذِينَ كَفَرُواْ سَوَآءٌ عَلَيۡهِمۡ ءَأَنذَرۡتَهُمۡ أَمۡ لَمۡ تُنذِرۡهُمۡ لَا يُؤۡمِنُونَ﴾ کیونکہ سورۃ کا آغاز قرآن کا ذکر تھا اور اس بات کا بیان کہ قرآن کی شان ایمان کے ساتھ وصف کی گئی قوم کی ہدایت ہے۔پس جب مومنین کے وصف کو مکمل کر لیا تو اُس کے عقب میں کافروں کا ذکر چھیڑا اور ان دونوں تذکروں کے مابین ایک وہمی جامع موجود ہے جس کو اسی وجہ سے تضاد کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے۔اور اس کی حکمت ہے پہلے کلام پر ثبوت (ثابت رہنا) اور اُس کا شوق دلانا جیسا کہ کہا گیا ہے "وَ بِضِدِھَا تَتَبَیَّنُ الْأَشْیَاءُ چیزیں اپنی ضد (مخالف) کی وجہ سے ظاہر اور نمایاں ہوا کرتی ہیں۔

سوال نمبر12۔مناسبت آیات کے ضمن میں قرینہ استطراد سے کیا مراد ہے؟

قرآن پاک کی آیات میں سے ہر ایک جملہ دوسرے جملہ سے مستقل اور الگ جملہ ہے اور ان کے درمیان حرف عطف موجود نہیں تو وہاں پر ان کے باہمی ربط کے قرینے دیکھیں جائیں گے اور ان قرینوں کے بہت سے اسباب ہیں از انجملہ ایک سبب ہے استطراد۔مثلاً قولہ تعالیٰ ﴿يَٰبَنِيٓ ءَادَمَ قَدۡ أَنزَلۡنَا عَلَيۡكُمۡ لِبَاسٗا يُوَٰرِي سَوۡءَٰتِكُمۡ وَرِيشٗاۖ وَلِبَاسُ ٱلتَّقۡوَىٰ ذَٰلِكَ خَيۡرٞۚ ذَٰلِكَ مِنۡ ءَايَٰتِ ٱللَّهِ لَعَلَّهُمۡ يَذَّكَّرُونَ ﴿٢٦﴾﴾ زمخشری کا قول ہے کہ یہ آیت شرم کی جگہوں کے کھل جانے اور ان پر پتوں کر پردہ کرنے کے ذکر کے بعد بسبیل استطراد وارد ہوئی ہے اور اس سے خلقت لباس کا احسان ظاہر کرنا اور برہنگی اور شرمگاہ کو کھولنے کی برائی کا بتانا مقصود ہے اور یہ بھی عیاں کرنا مطلوب ہے کہ ستر پوشی تقوی کے ابواب میں سے ایک عظیم باب ہے۔

اور استطراد ہی کی مثال میں قولہ تعالیٰ ﴿لَّن يَسۡتَنكِفَ ٱلۡمَسِيحُ أَن يَكُونَ عَبۡدٗا لِّلَّهِ وَلَا ٱلۡمَلَٰٓئِكَةُ ٱلۡمُقَرَّبُونَۚ وَمَن يَسۡتَنكِفۡ عَنۡ عِبَادَتِهِۦ وَيَسۡتَكۡبِرۡ فَسَيَحۡشُرُهُمۡ إِلَيۡهِ جَمِيعٗا﴾ کو بھی پیش کیا گیا ہے۔کیونکہ اس میں کلام کا اول حصہ ان نصاری کی تردید کے لئے ذکر کیا گیا ہے جو کہ مسیح کو خدا کا بیٹا کہتے تھے اور پھر اس کے بعد اُن ki بات کو اس طرح بیان کرنا کہ اس سے دوسری بات لازم آئے۔ اہل عرب کی تردید کے لئے جو کہ ملائکہ کو خدا کی بیٹیاں کہا کرتے تھے اُس کو منتظر د کیا گیا۔اور استطراد کے اس قدر قریب قریب کہ اس میں کوئی فرق نہیں معلوم ہوتا.

سوال نمبر13۔مناسبت آیات کے ضمن میں قرینہ حسن تخلص سے کیا مراد ہے؟

قرآن پاک کی آیات میں سے ہر ایک جملہ دوسرے جملہ سے مستقل اور الگ جملہ ہے اور ان کے درمیان حرف عطف موجود نہیں تو وہاں پر ان کے باہمی ربط کے قرینے دیکھیں جائیں گے اور ان قرینوں کے بہت سے اسباب ہیں اسے یک امر حسن التخلص بھی ہے۔اور یہ اس بات کا نام ہے کہ متکلم نے جس چیز کے ساتھ کلام کی ابتدا کی ہے اُس سے وہ مقصود اصلی کی طرف نہایت سہل وجہ پر منتقل ہو جائے اور اس انتقال کے وقت اس قدر دقیق معنی کا اختلاس کرے کہ سامع کو انتقال کا پتا ہی نہ چلے اور معلوم بھی ہو تو اس وقت جبکہ متکلم امر اول سے امر دوم کی طرف منتقل ہو چکے اور معنی ثانی کا وقوع سامع پر ہو جائے اور اس کی وجہ یہ ہو کہ اُن دونوں امور کے مابین نہایت ہی التیام (میل) پایا جاتا ہو۔مثال کے طور پر سورۃ الاعراف ہی کو دیکھو کہ اُس میں کس طرح پر انبیاء گزشتہ صدیوں اور رفتہ قوموں کا ذکر ہونے کے بعد پھر موسیٰ کا بیان چھیڑا گیا ہے یہاں تک کہ ستر آدمیوں کا قصہ اور موسیٰ کا اُن کے واسطے اور اپنی تمام امت کے واسطے بددعا کرنا وارد ہوا ہے۔دیکھو موسی علیہ السلام کا قول ﴿وَٱكۡتُبۡ لَنَا فِي هَٰذِهِ ٱلدُّنۡيَا حَسَنَةٗ وَفِي ٱلۡأٓخِرَةِ إِنَّا هُدۡنَآ إِلَيۡكَۚ قَالَ عَذَابِيٓ أُصِيبُ بِهِۦ مَنۡ أَشَآءُۖ وَرَحۡمَتِي وَسِعَتۡ كُلَّ شَيۡءٖۚ

فَسَأَكۡتُبُهَالِلَّذِينَ يَتَّقُونَ وَيُؤۡتُونَ ٱلزَّكَوٰةَ وَٱلَّذِينَ هُم بِـَٔايَٰتِنَا يُؤۡمِنُونَ﴾ اور پھر خدا تعالیٰ کا جواب ہے جو کہ اُس نے موسیٰ کے اس سوال پر دیا تھا۔اس کے بعد خدا تعالیٰ ' نے سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کے مناقب کی جانب تخلص فرمایا ہے اور یہ تخلص سید عالم صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ کی امت کی طرف اپنے قول﴿وَٱكۡتُبۡ لَنَا فِي هَٰذِهِ ٱلدُّنۡيَا حَسَنَةً وَفِي ٱلۡأٓخِرَةِ إِنَّا هُدۡنَآ إِلَيۡكَۚ قَالَ عَذَابِيٓ أُصِيبُ بِهِۦ مَنۡ أَشَآءُۖ وَرَحۡمَتِي وَسِعَتۡ كُلَّ شَيۡءٖۚ فَسَأَكۡتُبُهَا لِلَّذِينَ يَتَّقُونَ وَيُؤۡتُونَ ٱلزَّكَوٰةَ وَٱلَّذِينَ هُم بِـَٔايَٰتِنَا يُؤۡمِنُونَ﴾ کے ساتھ تخلص کرنے کے بعد کیا گیا ہے کیونکہ اس آیت میں امتنان کی صفات کا بیان ہوا ہے اور بتایا گیا ہے کہ اس میں اس صفت کے لوگ رسول نبی امی صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ کا اتباع کریں گے اور پھر رسول صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ کی اعلی صفتیں اور آپ کے فضائل بیان کرنے آغاز کئے ہیں۔

سوال نمبر14۔ محمد بن غانم نے حسن تخلص کے قرینہ بننے پر کیا اعتراض کیا ہے؟اور علامہ سیوطی نے اس پر کیا جواب دیا ہے؟

ابو العلا محمد بن غانم نے یہ کہنے میں سخت غلطی کی ہے کہ قرآن میں حسن التخلص کی قسم سے کوئی بات نہیں آئی ہے کیونکہ اس میں تکلف ہوا کرتا ہے اور تکلف فصاحت وبلاغت کے منافی ہے۔وہ کہتا ہے کہ قرآن کا ورود محض اقتضاب کی نوع پر ہوا ہے جو کہ غیر مناسب امر کی طرف انتقال کرنے کے قبیل سے اہل عرب کا طریقہ ہے۔اور جیسا کہ اُس نے کہا ہے یہ بات ہرگز نہیں اس واسطے کہ قرآن میں ایسے عجیب و غریب تخلصات پائے جاتے ہیں کہ اُن کو دیکھ کر عقل دنگ رہ جاتی ہے۔اور سورۃ الشعراء میں ابراہیم کے قول" وَلَا تُخۡزِنِي يَوۡمَ يُبۡعَثُونَ کی حکایت فرما کر اس سے تخلص کر کے اپنے قول يَوۡمَ يَنفَعُ مَالٞ وَلَا بَنُونَ" کے ساتھ معاد کا حال بیان کرنا شروع کر دیا ہے۔ایسے ہی سورۃ الکھف میں سد کے بابت ذی القرنین کا قول ابی سد کے منہدم ہو جانے کے ذکر سے بعد میں بیان کیا ہے اور سد کا مسمار ہونا قیامت کی علامتوں میں سے ہے اور اس کے بعد صور پھونکے جانے اور حشر کا بیان کیا ہے اور کافروں اور مومن لوگوں کے لئے جو باتیں ہوں گی ان کا تذکرہ فرمایا ہے۔

سوال نمبر15۔ کچھ علماء نے تخلص اور استطراد میں فرق بیان کیا ہے؟وہ کیا فرق ہے؟

بعض علماء کا قول ہے کہ مخلص اور استطراد کے مابین فرق یہ ہے کہ تخلص میں تم نے اس بات کو جسے پہلے بیان کر رہے تھے گویا بالکل چھوڑ دیا اور جس امر کی طرف تخلص کر کے آئے ہو بس اب اس کے ہو رہے۔اور استطراد میں یہ بات ہوتی ہے کہ تم جس امر کی طرف استطراد کرتے ہو اس پر کوند جانے والی بجلی کی طرح چمکتے ہوئے گزار کر پھر اُسے چھوڑ کر اپنے اصلی مطلوب پر آجایا کرتے ہو گویا کہ منتظر چیز کا بیان کرنا تمہارا مقصود نہ تھا بلکہ وہ صرف ایک عارضی بات بطور جملہ معترضہ کے اثنائے کلام میں آپڑی تھی۔اور کہا گیا ہے کہ اس سابق کے بیان سے اعراف اور شعراء کی سورتوں میں جو بات ہے وہ استطراد ہی کے باب سے بنتی ہے اور تخلص کے باب سے نہیں ٹھہرتی۔اس واسطے کہ سورۃ اعراف میں خدا تعالیٰ ' نے اپنے قول ﴿وَمِن قَوۡمِ مُوسَىٰٓ أُمَّةٞ يَهۡدُونَ بِٱلۡحَقِّ وَبِهِۦ يَعۡدِلُونَ﴾ کے ساتھ دوبارہ موسیٰ کے قصہ کی جانب عود فرمایا ہے۔اور سورۃ الشعراء میں انبیاء علیہم السلام اور قوموں کے قصہ کی طرف عود کیا ہے۔

سوال نمبر16۔ حسن تخلص کے قریب کونسی نوع ہے؟ یا هذا کے ساتھ ایک بات سے دوسری بات کی طرف منتقل ہونا کونسی نوع ہے؟

سامع کو مستعد اور چوکنا بنانے کے لئے ایک بات سے دوسری بات کی طرف یوں انتقال کرنا کہ نئی بات کو پہلی بات سے لفظ ھذا کے ساتھ جدا گانہ بنایا ہو یہ بھی حسن التخلص کے قریب قریب ہے۔مثلاً سورہ ص میں خدا تعالیٰ ' نے انبیاء کا ذکر فرمانے کے بعد ارشاد کیا ہے ﴿هَٰذَا ذِكۡرٞۚ وَإِنَّ لِلۡمُتَّقِينَ لَحُسۡنَ مَـَٔابٖ﴾ یونکہ یہ قرآن بھی ذکر (یاد دہانی) کی ایک نوع ہے۔اور جب کہ انبیاء کا ذکر جو کہ تنزیل کی ایک نوع ہے ختم ہو گیا تو خدا تعالیٰ ' نے ایک دوسری نوع کا ذکر کرنا چاہا اور وہ جنت اور اہل جنت کا حال تھا۔پھر جب کہ اس سے بھی فارغ ہو گیا تو ارشاد کیا ﴿هَٰذَاۚ وَإِنَّ لِلطَّٰغِينَ لَشَرَّ مَـَٔابٖ﴾ یعنی دوزخ اور دوزخی لوگوں کا ذکر فرمایا۔ابن اثیر کہتا ہے "اس مقام میں لفظ ھذا اس طرح کا فصل ہے جو کہ وصل سے بہت اچھا ہوا کرتا ہے اور وہ ایک کلام سے دوسرے کلام کی طرف خروج کرنے کے مابین نہایت مناسب علاقہ ہے۔

سوال نمبر17۔ مناسبت آیات کے ضمن میں قرینہ حسن تخلص سے کیا مراد ہے؟

قرآن پاک کی آیات میں سے ہر ایک جملہ دوسرے جملہ سے مستقل اور الگ جملہ ہے اور ان کے درمیان حرف عطف موجود نہیں تو وہاں پر ان کے باہمی ربط کے قرینے دیکھیں جائیں گے اور ان قرینوں کے بہت سے اسباب ہیں اور ان میں حسن تخلص قریب قریب حسن مطلب کی نوع بھی ہے۔ زنجانی اور طیبی کہتے ہیں حسن مطلب اس بات کا نام ہے کہ پہلے وسیلہ کا بیان کر لینے کے بعد پھر غرض کو بیان کریں۔ مثلاً قولہ تعالیٰ "اِيَّاكَ نَعْبُدُ وَإِيَّاكَ نَسْتَعِينُ" کہ اس میں پہلے وسیلہ یعنی عبادت کا ذکر ہے اور اُس کے بعد غرض یعنی مدد چاہنے کا تذکرہ۔

طیبی کہتا ہے اور اس طرح کی مثال جس میں حسن التخلص اور حسن مطلب دونوں باتیں اکٹھی جمع ہوگئی ہیں وہ خدا تعالیٰ کا یہ قول ہے جس کو اس نے اللہ تعالیٰ ابراہیم علیہ السلام کی زبانی حکایت فرماتا ہے﴿فَإِنَّهُمْ عَدُوٌّ لِّيٓ إِلَّا رَبَّ ٱلْعَٰلَمِينَ﴾ احکام اور اُس کے تابع لوازم کی جانب سامع کے نفس کو متوجہ بنانے والی کن چیزوں کو وہ مقدمات اپنا تابع بنانے چاہتے ہیں اور کیا وہ لوازم ایسے ہیں کہ اُن پر واقف ہو جانے سے باقتضائے بلاغت منتظر کو انتظار۔

سوال نمبر18۔ متاخرین کے نزدیک وہ کونسا مفید امر کلی ہے جو قرآن کی آیتوں کی باہمی مناسبت بتا سکے؟

بعض متاخرین کا قول ہے ایسا مفید کلی امر جو کہ تمام قرآن کی آیتوں کی باہمی مناسبتوں کو بتا سکے یہ ہے کہ پہلے تم اس غرض پر نظر ڈالو جس کی وجہ سے سورہ کا سیاق (بیان) ہوا ہے۔ اور یہ دیکھو اس غرض کے لئے کن مقدمات کی الوکہ وہ مقدمات مطلوب سے نزدیک اور دور ہونے میں کس مرتبہ پر ہیں اور مقدمات کلام کی زحمت سے نجات مل جاتی ہے؟ یا نہیں۔ اور یہی وہ کلی امر ہے جو کہ تمام اجزاء قرآن کے مابین ربط دینے کے حکم پر غلبہ اور تسلط کئے ہے اور جس وقت تم اس کو کو سمجھ لوگے تو اُس وقت تم پر تفصیل کے ساتھ ہر ایک سورۃ کی آیتوں کے مابین مابین وجہ نظم کا پوری طرح انکشاف ہو جائے گا۔

سوال نمبر19۔ کیا قرآن پاک میں ایسی آیات بھی ہیں جہاں مناسبت بتانی مشکل ہے؟ مثال سے واضح کریں۔

بعض آیتیں اس طرح کی ہیں کہ ان کی مناسبت اُن کے ماقبل کے ساتھ مشکل نظر آتی ہے

ا۔ ایسی آیتوں میں سے ایک قولہ تعالیٰ " لا تُحَرِّكْ بِهِ لِسَانَكَ لِتَعْجَلَ به " ہے

۲۔ ایسی آیتوں میں سے ایک قولہ تعالیٰ "يَسْئَلُونَكَ عَنِ الأَهِلَّةِ'' بھی ہے

۳۔ اور قولہ تعالیٰ وَلِلَّهِ الْمَشْرِق وَالْمَغْرِبُ " بھی اس ذیل سے ہے

سوال نمبر20۔" لا تُحَرِّكْ بِهِ لِسَانَكَ لِتَعْجَلَ به " کے ماقبل آیات سے مناسبات ذکر کریں

پہلی مناسبت: " لا تُحَرِّكْ بِهِ لِسَانَكَ لِتَعْجَلَ به " جو کہ سورۃ القیامۃ میں واقع ہے اور اس کی وجہ مناسبت سورہ کے اول اور آخر کے ساتھ معلوم کرنا نہایت دشوار امر ہے کیونکہ یہ پوری سورۃ حالات قیامت کے بیان میں نازل ہوئی ہے یہاں تک کہ بعض رافضیوں نے یہ کہہ دیا کہ اس سورۃ میں سے کوئی چیز ساقط ہو گئی ہے۔ اور قفال نے اس بیان میں جو ان سے فخر رازی کا مقولہ بتایا ہے یہ کہا ہے کہ اس سورہ کا نزول اُس انسان کے بارہ میں ہوا ہے جس کا ذکر اس سے پہلے قولہ تعالیٰ ﴿يُنَبَّؤُا۟ ٱلْإِنسَٰنُ يَوْمَئِذٍۭ بِمَا قَدَّمَ وَأَخَّرَ﴾ میں ہو چکا ہے وہ کہتا ہے انسان کے روبرو اس کا اعمال نامہ پیش اس کو پڑھنے میں خوف کی وجہ سے لکنت کرے گا اس واسطے وہ قرآت میں تیزی سے کام کرلے گا اور ایسی حالت سے کہا جائے گا کہ تو اس اعمال نامہ کی جلد جلد قرآت کے ساتھ اپنی زبان کو حرکت نہ دے کیونکہ یہ ہمارا فرض ہے تیرے اعمال کو جمع کریں اور پھر ان کو پڑھ کر تجھے سنائیں لہذا جبکہ آج ہم تیرے اس اعمالنامہ کو تیرے روبرو پڑھیں تو اُس وقت تو اُس کے پڑھنے کی تبعیت اس اقرار کے ساتھ کر کہ ہاں تو نے وہ کام کئے ہیں۔ پھر اس کے بعد ہم پر انسان کے امر کا بیان اور جو کچھ اس کی عقوبت کے متعلق ہے اس کی تفصیل واجب ہے۔ مگر یہ بات اس امر کے مخالف ہے جو کہ

حدیث صحیح سے ثابت ہوتی ہے کہ اس آیت کا نزول رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حالت نزول وحی میں زبان کو حرکت دینے پر ہوا تھا۔

دوسری مناسبت: یہ ہے کہ جس وقت خدا تعالیٰ نے قیامت کا ذکر فرمایا اور قیامت کی شان یہ تھی کہ جو شخص اُس کے لئے عمل کرنے میں قصور کرتا ہو وہ عاجلہ کی محبت رکھتا ہو (یعنی دنیا کی الفت میں گرفتار ہو)

تیسری مناسبت: ان قرینوں کے بہت سے اسباب میں سے یک امر نیک کاموں کے کرنے میں جلدی سے کام لینا مطلوب ہے لہذا خدا تعالیٰ نے آگاہ بنایا کہ کبھی اس مطلوب پر ایک ایسی چیز عارض ہو جایا کرتی ہے جو کہ اس سے برتر ہوا کرتی ہے اور وہ وحی الہی کا توجہ کے ساتھ سننا اور اُس سے وارد ہونے والے مطالب کا سمجھنا۔ اور یاد کرنے میں مشغول ہونا اس بات سے روک دیا کرتا ہے لہذا حکم دیا گیا کہ یاد کرنے کی جلدی نہ کرو کیونکہ اس کو دینا پروردگار عالم کے ذمہ ہے بس تمہارا کام صرف اس قدر ہے کہ جو وحی اترتی ہے اُسے غور سے سنتے جاؤ اور جب نزول وحی تمام ہو چکے تو اُس کے احکام کی پیروی کرو۔ پھر جس وقت یہ جملہ معترضہ ختم ہو گیا اُس وقت دوبارہ کلام کا رجوع اسی انسان اور اس کے ہم جنسوں کے متعلقات کی طرف ہوا جس کے ذکر سے کلام کا آغاز ہوا تھا۔ اور خدا تعالیٰ نے فرمایا "کلا" یہ ردع کا کلمہ ہے گویا کہ پروردگار عالم نے ارشاد کیا بلکہ تم لوگ اے بنی آدم بوجہ اس کے کہ جلد بازی سے پیدا ہوئے ہو ضرور ہر شے میں عجلت کیا کروگے اور اسی وجہ سے عاجلۃ (جلد ہونے والی چیز) کو دوست رکھوگے۔

چوتھی مناسبت: قرآن اپنی عادت کے مطابق جس جگہ قیامت میں کئے جانے والے اعمالنامہ کا ذکر کرتا ہے اس کے بعد ہی دنیا کی اس کتاب کا بھی ذکر کر دیتا ہے جو کہ احکام دین پر مشتمل ہے اور جس پر عمل کرنے اور نہ کرنے سے محاسبت ہوا کرتی ہے جیسا کہ سورۃ الکھف میں فرمایا ہے "وَوُضِعَ الْكِتَابُ فَتَرَى الْمُجْرِمِينَ مُشْفِقِينَ مِمَّا فِيهِ یہاں تک کہ فرمایا" وَلَقَدْ صَرَّفْنَا فِي هَذَا الْقُرْآنِ لِلنَّاسِ مِنْ كُلِّ مثل اور سورۃ سبحان الذي میں کہا ہے" فَمَنْ أُوتِيَ كِتَابَهُ بِيَمِينِهِ فَأُولَئِكَ يَقْرَءُونَ كِتَابَهُمْ یہاں تک کہ ارشاد کیا وَلَقَدْ صَرَّفْنَا فِي هَذَا القرآن " سورۃ طہ میں کہا ہے " يَوْمَ يُنْفَخُ فِي الصُّورِ وَنَحْشُرُ الْمُجْرِمِينَ يَوْمَئِذٍ زُرْقًا" یہاں تک کہ ارشاد ہوتا ہے فَتَعالیٰ اللهُ الْمَلِكُ الْحَقُّ وَلَا تَعْجَلُ بِالْقُرْآنِ مِنْ قَبْلِ أَنْ يُقْضَى إِلَيْكَ وَحْيُهُ.

پانچویں مناسبت: یہ ہے کہ جس وقت سورۃ کا اول حصہ "وَلَوْ الْقِی معاذیرہ تک اتر چکا اس وقت اتفاقی طور پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس حالت میں نازل شدہ وحی کو حفظ کر لینے کی جلدی فرمائی اور سرعت کے ساتھ اس کی قرآت میں زبان کو حرکت دی کیونکہ آپ کو اس کے ذہن سے اُتر جانے کا خوف تھا اور اُس وقت قولہ تعالیٰ "لا تحرك به لِسَانَكَ لِتَعْجَلَ بِهِ ثُمَّ إِنَّ عَلَيْنَا بَيَانَهُ نازل ہوا۔ اور اس کے بعد کلام کا عود اُس شے کے تکملہ کی طرف ہوا جس کے ساتھ اُسے آغاز کیا گیا تھا۔ امام رازی کا قول ہے اور اس کی مثال یوں سمجھنی چاہئے جیسے کوئی مدرس کسی طالب علم سے ایک مسئلہ بیان کرتا ہو اور طالب علم اس حالت میں کسی عارضی چیز کی طرف مشغول ہو جائے تو استاد اس سے کہے تم اپنا دل میری طرف رکھو اور جو کچھ میں بیان کرتا ہوں اس کو سمجھ ہو تو پھر مسئلہ کو مکمل کرتے رہنا۔ پس جو شخص سبب سے ناواقف ہو وہ یہی کہے گا کہ یہ کلام مسئلہ کے مناسب نہیں ہے مگر جو آدمی اس کا جاننے والا ہے وہ اس کلام کو بے محل نہ شمار کرے گا۔

چھٹی مناسبت: یہ ہے کہ جس نفس کا ذکر سورۃ کے شروع میں ہوا ہے اس سے مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے نفس کے ذکر کی طرف عدول کیا اور گویا یہ کہا کہ عام نفوس کی شان تو وہ ہے مگر اسے محمد صلی اللہ علیہ وسلم تمہارا نفس تمام نفوس سے اشرف ہے۔ لہذا تمہیں چاہئے کہ تم کامل ترین احوال کو اختیار کرو۔

سوال نمبر 21۔ يَسْـَٔلُونَكَ عَنِ ٱلْأَهِلَّةِ کے ماقبل آیات سے مناسبات ذکر کریں

قولہ تعالیٰ ﴿يَسْـَٔلُونَكَ عَنِ ٱلْأَهِلَّةِ ۖ قُلْ هِىَ مَوَٰقِيتُ لِلنَّاسِ وَٱلْحَجِّ ۗ وَلَيْسَ ٱلْبِرُّ بِأَن تَأْتُوا۟ ٱلْبُيُوتَ مِن ظُهُورِهَا وَلَـٰكِنَّ ٱلْبِرَّ مَنِ ٱتَّقَىٰ ۗ وَأْتُوا۟ ٱلْبُيُوتَ مِنْ أَبْوَٰبِهَا ۚ وَٱتَّقُوا۟ ٱللَّهَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ﴾ بھی اس باب سے ہے

جن کی، ماقبل سے مناسبت بہت مشکل ہے۔ کیونکہ بعض صورتوں میں یہ اعتراض ہوتا ہے کہ ہلالوں کے احکام اور گھروں کے اندر آنے کے احکام کے مابین کون سا رابطہ ہے جو ان دونوں کو برابر میں ذکر کیا گیا؟

اس میں مناسبت یہ کہ یہ استطراد کے باب سے ہے کیونکہ چاند گھٹنا بڑھنا ان کو اوقات حج کی شناخت کا ذریعہ بتایا گیا اور گھروں میں پشت کی طرف سے داخل ہونا زمانہ حج میں اُن لوگوں کا ایک معمولی فعل تھا جیسا کہ اس آیت کے سبب نزول میں درج ہو چکا ہے اس لئے گھروں میں جانے کا حکم یہاں پر جواب میں سوال سے زائد امور بیان کرنا ہے۔ اس کی مثال یہ ہے کہ سمندر کے پانی کی نسبت سوال ہوا تھا تو اس کے جواب میں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اس کا پانی طاہر ہے اور اس کا میتۃ حلال ہے

سوال نمبر21۔ وَلِلَّهِ الْمَشْرِق وَالْمَغْرِبُ کے ماقبل آیات سے مناسبات ذکر کریں

قولہ تعالیٰ ' وَلِلَّهِ الْمَشْرِق والمَغْرِبُ " بھی اس ذیل سے ہے کیونکہ اُس کی نسبت بھی ماقبل سے وجہ اتصال کا سوال ہو سکتا ہے اور اُس کا ماقبل ہے قولہ تعالیٰ ' ﴿وَمَنْ أَظْلَمُ مِمَّن مَّنَعَ مَسَٰجِدَ ٱللَّهِ أَن يُذْكَرَ فِيهَا ٱسْمُهُۥ وَسَعَىٰ فِى خَرَابِهَآ ۚ أُو۟لَٰٓئِكَ مَا كَانَ لَهُمْ أَن يَدْخُلُوهَآ إِلَّا خَآئِفِينَ ۚ لَهُمْ فِى ٱلدُّنْيَا خِزْىٌ وَلَهُمْ فِى ٱلْءَاخِرَةِ عَذَابٌ عَظِيمٌ﴾ شیخ ابو محمد الجونی اُس کی تفسیر میں بیان کرتا ہے کہ اُس نے ابوالحسن ذبان کو یہ کہتے سنا ہے کہ اس کی وجہ اتصال سابق میں بربادی بیت المقدس کا ذکر آ چکتا ہے یعنی یہ کہ تم کو یہ بات اُس سے روگردانی پر آمادہ نہ بنائے اور تم اس کی طرف رخ کرو اس واسطے کہ مشرق اور مغرب سب خدا تعالیٰ کی بنائی ہوئی سمتیں ہیں۔

سورتوں کا خاتمہ

سوال نمبر1۔ سورتوں کے فواتح اور خواتیم میں علامہ سیوطی کی کتاب کا نام لکھیں۔

مراصد المطالع فی تناسب المقاطع والمطالع

سوال نمبر2۔ سورتوں کی مناسبت کی کتنی صورتیں ہوتی ہیں؟

سورتوں کے آغاز و اختتام میں دو قسم کی مناسبت ہوتی ہے

١۔ بعینہ ایک سورت کے آغاز اور اختتام کی مناسبت
٢۔ ایک سورت کے اختتام اور دوسری سورت کے آغاز کی مناسبت

سوال نمبر3۔ کسی سورت کے آغاز اور اختتام میں کتنی قسم کی مناسبت ہوتی ہے؟

کسی سورت کے آغاز اور اختتام میں دو قسم کی مناسبت ہوتی ہے جیسے کہ سورہ

١۔ سورت کا آغاز جس مضمون سے ہو اسی مضمون پر اختتام ہو جیسا کہ سورہ قص

٢۔ سورت کا آغاز جن الفاظ سے ہو انہیں الفاظ پر اختتام ہو۔ جیسے کہ سورت ن والقلم

سوال نمبر4۔ سورۃ قصص کے آغاز اور اختتام میں کیا مناسبت ہے؟

سورہ قصص کی ابتدا موسی علیہ السلام کے ذکر اور ان کی نصرت کے بیان سے ہوئی ہے اور اُس کے آغاز میں موسی علیہ السلام کے قول فَلَنْ اَكُونَ ظَهِيرًا لِلْمُجْرِمِينَ لایا گیا ہے۔ پھر ان کے اپنے وطن سے نکلنے کا ذکر ہوا ہے۔ اور یہ سورۃ ہمارے نبی ﷺ کو یوں حکم فرمانے پر ختم ہوئی ہے کہ "لاَ يَكُونُ ظَهِيرا لِلْكَافِرِينَ ''وہ کافروں کے مددگار نہ بنیں۔ اور اُن کو مکہ مکرمہ سے نکال دیئے جانے کے بارہ میں تسلی دے کر پھر اُن سے یہ وعدہ کیا گیا ہے کہ تم دوبارہ اپنے وطن میں واپس لائے جاؤ گے کیونکہ سورۃ کے اول میں خداوند جل شانہ نے ارشاد کیا ہے "إِنَّا رَادُّوهُ".

سوال نمبر5۔ سورۃ مومنون کے آغاز اور اختتام میں کیا مناسبت ہے؟

خداوند کریم نے سورۃ مومنون کا آغاز قَدْ اَفْلَحَ الْمُؤْمِنُونَ '' سے کیا ہے اور اُس اختتام إِنَّهُ لا يُفْلِحُ الْكَافِرُونَ پر کیا ہے۔

سوال نمبر 6۔ سورۃ ص کے آغاز اور اختتام میں کیا مناسبت ہے؟

سورت ص کے آغاز میں وہ فرماتا ہے" صٓ وَ الۡقُرۡاٰنِ ذِی الذِّکۡرِ ؕ﴿۱﴾ اس نامور قرآن کی قسم اور اختتام میں فرماتا ہےاِنْ هُوَ إِلَّا ذِكْرٌ لِلْعَالَمِينَ

سوال نمبر 7۔ سورۃ ن والقلم کے آغاز اور اختتام میں کیا مناسبت ہے؟

والقلم کا آغاز مَا أَنْتَ بِنِعْمَةِ رَبِّكَ بِمَجْنُونٍ" سے کیا اور اختتام" إِنَّهُ لَمَجْنُونٌ "پر فرمایا۔

سوال نمبر 8۔ایک سورت کے اختتام کا ماقبل سورت کے آغاز سے مناسبت کتنے انداز میں ہوتی ہے؟

ا۔ بعض کا تعلق لفظ کے اعتبار سے ظاہر ہوا کرتا ہے جیسا کہ سورت الانعام کے آغاز کا سورت مائدہ کے اختتام ہے

۲۔ بعض کی مناسبت کبھی مخفی ہو جاتی ہے اور دوسری مرتبہ ظاہر ہوا کرتی ہے مثلاً سورۃ الانعام کا افتتاح الحمد کے ساتھ سورۃ مائدہ کے اختتام سے جو کہ فیصلہ قضاء کے بابت ہے مناسبت رکھتا ہے

۳۔ بعض میں سبب یہ ہے کہ وہ حروف کے موافق مرتب ہوئی ہیں جیسا کہ حوامیم میں ہے۔

۴۔ بعض میں سبب یہ کہ سورۃ کا آغاز اس کے ماقبل والی سورۃ کے آخر سے موافقت کھاتا ہے جیسا کہ سورۃ الحمد کا آخر معنی میں اور سورۃ البقرہ کا اول۔

۵۔ بعض میں سبب لفظ میں ہم وزن ہونا ہے۔ جیسے تبت کا آخر اور سورۃ الاخلاص کا اول۔

۶۔ بعض میں سبب سورۃ کے جملہ کا دوسرے جملہ سے مشابہ ہونا ہے جس طرح "الضحی "اور "أَلَمْ نَشْرَحُ ".

سوال نمبر 9۔ سورت مائدہ کی ماقبل سورت النساء سے کیا مناسبت ہے؟

الکواشی سورۃ المائدہ کی تفسیر میں لکھتا ہے کہ جس وقت خدا تعالیٰ نے سورۃ النساء کو توحید کے ماننے اور بندوں کے مابین عدل کرنے کے حکم پر تمام کیا ﴿فَلِلذَّكَرِ مِثۡلُ حَظِّ ٱلۡأُنثَيَيۡنِۗ يُبَيِّنُ ٱللَّهُ لَكُمۡ أَن تَضِلُّواْۗ وَٱللَّهُ بِكُلِّ شَيۡءٍ عَلِيمُۢ﴾ مرد کے لیے دو عورتوں کے برابر حصہ ہے۔ تو اُس وقت سورہ مائدہ کا آغاز اپنے قول" يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَوْفُوا بِالْعُقُودِ" کے ساتھ پہلے حکم کی تاکید فرمائی

سوال نمبر 10۔ سورت الانعام کے آغاز کا سورت مائدہ کے اختتام کے ساتھ کیا مناسبت ہے؟

سورۃ الانعام کا افتتاح اللہ تعالیٰ نے اس آیت سے فرمایا جس زمین و آسمان کا ذکر ہے

ٱلۡحَمۡدُ لِلَّهِ ٱلَّذِي خَلَقَ ٱلسَّمَٰوَٰتِ وَٱلۡأَرۡضَ وَجَعَلَ ٱلظُّلُمَٰتِ وَٱلنُّورَۖ ثُمَّ ٱلَّذِينَ كَفَرُواْ بِرَبِّهِمۡ يَعۡدِلُونَ

سب خوبیاں اللہ کو جس نے آسمان اور زمین بنائے اور اندھیریاں اور روشنی پیدا کی اس پر کافر لوگ اپنے رب کے برابر ٹھہراتے ہیں۔

سوال نمبر 11۔ سورت فاطر کے آغاز اور اس سے پہلی سورت سبا کے اختتام میں کیا مناسبت ہے؟

جس طرح سورۃ فاطر کا افتتاح الْحَمْدُ لِلَّهِ" کے ساتھ اُس کی ماقبل والی سورۃ کے خاتمہ سے جو کہ قولہ تعالیٰ " وَحِيلَ بَيْنَهُمْ وَبَيْنَ مَا يَشْتَهُونَ كَمَا فُعِلَ بِأَشْيَاعِهِمْ مِنْ قَبْلُ " ہے ویسی ہی مناسبت رکھتا ہے جیسا کہ خدا تعالیٰ کے قول" فَقُطِعَ دَابِرُ الْقَوْمِ الَّذِينَ ظَلَمُوا وَالْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ میں پایا جاتا ہے۔

سوال نمبر 12۔ سورت الحدید کے آغاز اور اس سے پہلی سورت الواقعہ کے اختتام میں کیا مناسبت ہے؟

سورۃ الحدید کا افتتاح تسبیح کے ساتھ ہوا ﴿سَبَّحَ لِلَّهِ مَا فِي ٱلسَّمَٰوَٰتِ وَٱلۡأَرۡضِۖ وَهُوَ ٱلۡعَزِيزُ ٱلۡحَكِيمُ﴾ اللہ کی پاکی بولتا ہے جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے (ف ۲) اور وہی عزت و حکمت والا ہے جبکہ سورۃ الواقعہ کے خاتمہ سے یوں مناسب ہے کہ اس میں

تسبیح کایوں حکم دیا گیا ہے۔﴿فَسَبِّحۡ بِٱسۡمِ رَبِّكَ ٱلۡعَظِيمِ﴾ تو اے محبوب تم اپنے عظمت والے رب کے نام کی پاکی بولو

سوال نمبر 13۔ سورت البقرۃ کے آغاز اور اس سے پہلی سورت الفاتحہ کے اختتام میں کیا مناسبت ہے؟

سورۃ البقرہ کا افتتاح" الم ذلك الكتب" کے ساتھ ہونے سے الضراط کی جانب اشارہ پایا جاتا ہے جو کہ قولہ تعالیٰ " اهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيمَ" میں ہے۔ گویا کہ جس وقت اُن لوگوں نے صراط مستقیم کی جانب ہدایت کا سوال کیا تو اُس وقت اُن سے کہا گیا کہ جس صراط کی طرف تم راستہ دکھانے کی خواہش کرتے ہو وہ کتاب یہی ہے۔ اور یہ عمدہ معنی ہیں اُن میں سورۃ بقرہ کا ارتباط سورۃ فاتحہ کے ساتھ ظاہر ہوتا ہے۔

سوال نمبر 14۔ سورت الکوثر کے آغاز اور اس سے پہلی سورت الماعون کے اختتام میں کیا مناسبت ہے؟

سورۃ الکوثر کے لطائف میں سے یہ ہے کہ وہ اپنے ماقبل کی سورۃ سے مدمقابل کے انداز پر واقع ہوئی ہے کیونکہ اس سے سابق کی سورۃ میں خدا تعالیٰ نے منافق کی صفت میں چار امور ذکر کئے ہیں: (۱) بخل (۲) ترک نماز (۳) اور نماز کا دکھاوا کرنا۔ (۴) زکوۃ نہ دینا۔ اور سورۃ الکوثر میں انہی چاروں باتوں کے مقابل رسول اللہ ﷺ کی چار خوبیاں ذکر کی ہیں۔ بخل کے مقابلہ میں " إِنَّا اَعْطَيْنَاكَ الْكَوْثَر "یعنی مال کثیر ترک صلوٰۃ کے مقابلہ میں "فَصَلِّ" یعنی اس پر مداومت کر ریاء کے مقابل میں رنگ یعنی خدا کی رضا جوئی کے لئے نہ کر آدمیوں کے خوش کرنے کو۔ اور صنع الْمَاعُونَ کے مقابلہ میں وَانْحَرْ آیا ہے اور اس سے قربانیوں کا گوشت صدقہ کرنا مراد لیا گیا ہے۔

سوال نمبر 15۔ کیا سورتوں کی ترتیب میں کچھ توقیفی اسباب بھی ہیں؟

بعض علماء کا قول ہے۔ مصحف میں سورتوں کے رکھنے کی ترتیب کے بہت سے ایسے اسباب ہیں جو اس بات پر مطلع بناتے ہیں کہ وہ ترتیب توفیقی ہے اور کسی حکیم سے صادر ہوئی ہے۔

سوال نمبر 16۔ چند سورتوں کی اکھٹی باہمی مناسبت ذکر کریں؟

کسی امام کا قول ہے سورۃ الفاتحہ ربوبیت کے اقرار، دین اسلام میں پروردگار عالم کی طرف پناہ لینے اور یہود اور نصاری کے دین سے محفوظ رہنے پر شامل ہے۔ سورۃ البقرہ قواعد دین پر شامل ہے اور سورۃ آل عمران اس کے مقصود کو مکمل بنانے والی ہے۔ سورۃ النساء ان اسباب کے احکام پر متضمن ہے جو کہ انسانوں کے مابین ہیں۔ سورۃ المائدہ عقود کی سورۃ ہے وہ شریعتوں کی تکمیل اور دین کو کامل بنانے والی چیزوں اور رسولوں کے قول وپیمان وفا کرنے اور جو اقرار امت پر لئے گئے ہیں اُن کو بنانے کے بیان پر شامل ہے۔ ان چاروں سورتوں یعنی البقرہ، آل عمران، النساء اور المائدہ کے مابین جو مدنی سورتیں ہیں یہ ترتیب نہایت اچھی ترتیب ہے۔

سوال نمبر 17۔ سورت بقرہ اور سورت آل عمران کے مضامین کی باہمی مناسبت بیان کریں۔

سورت البقرہ بمنزلہ حکم پر دلیل قائم کرنے کے ہے اور آل عمران بمنزلہ مخالفین کے شبہات کا جواب دینے کے۔ اسی واسطے سورۃ آل عمران میں متشابہ کا ذکر آیا ہے کیونکہ نصاری نے متشابہ کے ساتھ تمسک کیا تھا اور آل عمران ہی میں حج واجب کیا گیا ہے ورنہ سورۃ البقرہ میں صرف حج کے مشروع ہونے کا ذکر ہوا ہے اور اس کو شروع کر لینے کے بعد اُسے تمام کروانے کا حکم دیا گیا ہے۔ اور سورۃ آل عمران میں اُسی طرح نصاری سے زیادہ خطاب کیا گیا ہے جس طرح کہ سورۃ البقرہ میں یہودیوں کی طرف بکثرت خطاب ہوا ہے کیونکہ توراۃ اصل ہے اور انجیل اس کی فرع (شاخ) ہے اور یہ بات بھی ہے کہ نبی ﷺ نے مدینہ میں تشریف آوری کے بعد یہودیوں ہی کو دعوت اسلام دی تھی اور اُس نے جہاد کیا تھا اور اپنے نصاری سے پچھلے زمانہ میں جہاد فرمایا۔

سوال نمبر 18۔ مکی اور مدنی سورتوں کی باہمی مناسبت بیان کریں۔

نبی اکرم ﷺ کی دعوت مشرکین پر آغاز ہوئی تھی اسی وجہ سے مکی سورتوں میں وہ دین مذکور ہے جو عام مخلوق اور انبیاء سب کا متفق علیہ اور اُس کے مخاطب تمام انسان بنائے گئے۔ اور يَـٰٓأَيُّهَا ٱلنَّاسُ سے ان کو خطاب کیا گیا۔

جبکہ مدنی سورتوں میں انہی لوگوں سے خطاب ہوا ہے جو اہل کتاب اور مومن تھے لہذا ان کے مخاطب بنانے کے لئے "يَا أَهْلَ الْكِتَابِ، يَا بَنِي إِسْرَائِيلَ اور يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا کے کلمات استعمال ہوئے ہیں۔

سوال نمبر 19۔ سورۃ النساء کے آغاز اور اختتام تک باہمی مناسبات کا ذکر کریں۔

سورۃ النساء ان اسباب کے احکام پر متضمن ہے جو کہ انسانوں کے مابین ہیں۔ ان اسباب کی دو قسمیں ہیں ایک خدا کے پیدا کئے ہوئے اور دوسرے آدمیوں کی قدرت میں دیئے گئے۔ مثلاً نسب (رشتہ) اور صبر (ناطہ) اس لئے خدا تعالیٰ نے سورۃ النساء کا افتتاح اپنے قول "اِتَّقُوا رَبَّكُمُ الَّذِی خَلَقَكُمْ مِنْ نَفْسٍ وَاحِدَةٍ وَخَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا کے ساتھ کیا اور پھر فرمایا" وَاتَّقُوا ا اللهَ الَّذِی تَسَاءَلُونَ بِهِ وَالْأَرْحَام اب دیکھو کہ افتتاح میں یہ کیسی عجیب مناسبت اور براعت استہلال ہے کیونکہ افتتاح سورۃ کی آیت اُس شے پر شامل ہے جس کا بیان سورۃ کے اکثر حصہ میں کیا گیا ہے یعنی عورتوں سے نکاح کرنے۔ اس کے محرمات کا جو کہ ارحام سے تعلق رکھتے ہیں۔ اس طرح کہ اس بات کی ابتداء آدم کی آفرینش سے ہوئی تھی پھر آدم علیہ السلام سے اُن کے جوڑے کی آفرینش ہوئی اور بعد ازاں ان دونوں سے بہت سے مرد اور عورتیں دنیا میں پھیلائی گئیں۔

سوال نمبر 20۔ سورۃ المائدہ کے آغاز اور اختتام تک باہمی مناسبات کا ذکر کریں۔

سورۃ المائدہ عقود کی سورۃ ہے وہ شریعتوں کی تکمیل اور دین کو کامل بنانے والی چیزوں اور رسولوں کے قول وپیمان وفا کرنے اور جو اقرار امت پر لئے گئے ہیں اُن کو بنانے کے بیان پر شامل ہے اور چونکہ انہی چیزوں سے دین سے دین کامل ہوتا ہے۔ اس سورۃ میں احرام باندھنے والے پر شکار کا حرام ہونا وارد ہوا ہے اور یہ بات احرام کو پورا کرنے والی ہے۔ شراب حرام کی گئی ہے جس کے ذریعہ سے حفاظت عقل کا اور دین تکملہ ہوا ہے۔ چوروں اور محارب لوگوں کی طرح بے اعتدالیاں کرنے والوں کی سزا مقرر کی گئی ہے جس سے.. حفاظت جان ومال کا انتظام ہوا ہے۔ پاک چیزیں حلال بنائی گئی ہیں کیونکہ یہ بات عبادت الٰہی کو تام اور کامل کرنے والی ہے۔ غرض کہ الٰہی وجوہ سے سورۃ المائدہ میں تمام وہ باتیں ذکر کی گئی ہیں جو کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی شریعت کے ساتھ خصوصیت رکھتی ہیں مثلاً وضوء تیمیم اور ہر ایک دین دار پر قرآن کے مطابق حکم کیا جانا۔ اور اسی وجہ سے اس سورۃ میں اکمال اور اتمام کے الفاظ کثرت سے وارد ہوئے ہیں اور اسی سورۃ میں ذکر کیا گیا ہے کہ جو شخص دجو شخص دین اسلام سے مرتد (روگرداں) ہو جائے گا خداوند کریم اُس کے عوض میں اُس سے بہتر شخص اس دین کو عطا کرے گا اور یہ دین ہمیشہ کامل ہی رہے گا اور اسی واسطے وارد ہوا ہے کہ سورۃ مائدہ میں ختم اور تمام کے اشارات ہونے کے لحاظ سے وہ سب سے آخر میں نازل ہوتی ہے۔

سوال نمبر 21۔ سورۃ القدر اور سورۃ العلق میں باہمی مناسبت ذکر کریں۔

ابو جعفر بن الزبیر کہتا ہے خطابی نے ذکر کیا ہے کہ جس وقت صحابہ قرآن پر اجتماع کیا۔ اور سورۃ القدر کو سورۃ العلق کے بعدر کھا تو انہوں نے اس ترتیب سے یہ دلیل نکالی کہ اللہ تعالیٰ کے فرمان " إِنَّا أَنْزَلْنَاهُ فِي لَيْلَةِ الْقَدْرِ "میں انزلناہ کی ہ ضمیر اللہ پاک کے قول "اقراء کی جانب ہے۔ قاضی ابو بکر بن العربی کہتا ہے کہ یہ استدلال بے حد نادر ہے۔

سوال نمبر 22۔ کسی سورت کے آغاز میں حروف مقطعات کی اس سورت کے مضامین سے کیا مناسبت ہے؟

سورتوں کی باہمی مناسبتوں میں سے ایک بات سورتوں کا حروف مقطعہ کے ساتھ آغاز ہونا ہے اور ہر ایک سورۃ کا اُنہی حروف کے ساتھ خاص ہونا جن کے ساتھ اُس کی ابتدا ہوئی ہے۔ یہاں تک کہ آلر کے مقام پر آلم اور طس کے موضع میں خم کو نہیں وارد کیا گیا۔ اور اس کی وجہ یہ ہے کہ ہر ایک سورت کی ابتدا اسی سورۃ میں سے کسی ایک حروف کے ساتھ ہوئی ہے یوں کہ اُس کے اکثر کلمات اور حروف اُسی مبتدا بہ کے مماثل ہیں لہذا ہر ایک سورۃ کے لئے یہ بات سزاوار ہوئی کہ جو کلمہ اُس کے اندر وارد نہیں ہوا ہے وہ اس کے مناسب بھی نہ ہوا اور اس وجہ سے اگر ان کی جگہ پر ق کو وضع کیا جاتا تو بے شک وہ تناسب نابود ہو جاتا جس کی مراعاۃ کتاب اللہ میں واجب ہے۔

سوال نمبر23۔ سورت ق کے سورت کے آغاز میں آنے کی کیا حکمتیں ہیں؟

سورۃ ق کے اس حرف سے ابتدا ہونے کی علت یہ ہے کہ اُس میں لفظ قاف کے ساتھ بہت سے کلمے قرآن اور تخلیق کے ذکر میں آئے ہیں۔ قول کے بار بار دہرانے میں آئے ہیں۔قَدْ عَلِمْنَا مَا تَنْقُصُ الْاَرْضُ مِنْهُمْ، وَ اَلْقَيْنَا فِيْهَا رَوَاسِىَ، رِّزْقًا لِّلْعِبَادِ، اَفَعَيِيْنَا بِالْخَلْقِ الْاَوَّل ، اِذْ يَتَلَقَّى الْمُتَلَقِّيٰنِ، عَنِ الْيَمِيْنِ وَ عَنِ الشِّمَالِ قَعِيْدٌ، مَا يَلْفِظُ مِنْ قَوْلٍ اِلَّا لَدَيْهِ رَقِيْبٌ عَتِيْدٌ
یہ سارے مضامین ایسے ہیں کہ جن میں حرف ق آیا ہے اور یہی اس سورت کے حرف مقطعات سے آغاز کی اس کے مضامین سے مناسبت ہے۔

سوال نمبر24۔ سورت یونس کے آغاز میں الر آنے کی کیا حکمتیں ہیں؟

سورۃ یونس میں جس قدر کلمات واقع ہوئے ہیں، ان میں دو سو یا اس سے زائد کلمات میں "الر کا ذکر آیا ہے۔ اس واسطے اس کا افتتاح آلر کے ساتھ ہوا۔ سورۃ ص متعدد خصومتوں (جھگڑوں) پر مشتمل ہے کیونکہ اُس میں سب سے پہلی نبی ﷺ کی خصومت ہے کفار کے ساتھ اور کفار کا یہ قول مذکور ہے "أَجَعَلَ الْأَلِهَةَ إِلَهًا وَاحِدًا پھر داؤد کے پاس دو خصموں کا اختصام (جھگڑنا) بیان ہوا ہے۔ اس کے بعد دوزخی لوگوں کی باہمی خصومت کا ذکر ہے۔ بعدہ ملاءاعلیٰ (فرشتوں) کی خصومت کا بیان ہے۔ اور پھر ابلیس کا جھگڑا آدم کی شان میں اور بعدہ اولاد آدم اور ان کے اغواء کے بارہ میں مذکور ہوا ہے۔

سوال نمبر25۔ جن سورتوں کے آغاز میں الم ہے تو ان حروف اور اس سورت کے مضامین میں کیا مناسبتیں ہیں؟

الم : نے حلق، زبان اور دونوں ہونٹوں کے ہر سہ مخارج کو بترتیب جمع کر لیا ہے اور اس بات سے ابتدائے آفرینش کی طرف اشارہ ہے اور انتہائے خلقت کی جانب جو کہ میعاد کے ابتدا ہونے کا زمانہ ہے اور وسط خلقت سے دنیاوی زندگی اشارہ نکلتا ہے۔ اور اُس میں احکام اور نواہی مشروع ہوتے ہیں۔ اور جو سورۃ الم کے ساتھ شروع کی گئی ہے وہ ضرور ان تینوں امور پر شامل ہے

سوال نمبر26۔ سورۃ الاعراف کے آغاز میں المص ہے تو ان حروف اور اس سورت کے مضامین میں کیا مناسبتیں ہیں؟

سورۃ الاعراف میں الم پر ص کا اضافہ اس لئے کیا گیا کہ اُس میں واقعات کا ذکر ہے۔ جیسے حضرت آدم کا قصہ ہے اور پھر ان کے بعد آنے والے انبیاء علیہم السلام کا قصہ بیان ہوا ہے۔ نیز یہ وجہ بھی ہے کہ اس فَلَا يَكُن فِي صَدْرِكَ حَرَجٌ کا ذکر ہے اور اسی وجہ سے کسی عالم کا قول ہے کہ المص کے معنی ہیں "أَلَمْ نَشْرَحْ لَكَ صَدْرَكَ

سوال نمبر27۔ سورۃ رعد کے آغاز میں الم پر را کا ضافہ ہے تو ان حروف اور اس سورت کے مضامین میں کیا مناسبتیں ہیں؟

سورۃ رعد میں آلم پر را ائد کی گئی ہے کیونکہ اس میں خدا تعالیٰ نے "رفع السموات فرمایا ہے اور یہ وجہ بھی ہے کہ اس میں رعد اور برق وغیرہ کا ذکر آیا ہے۔

سوال نمبر28 جس سورت کا آغاز حروف مقطعات سے ہوتا ہے ان سورتوں کا آغاز کس مضمون سے ہوتا ہے؟

جن سورتوں کا آغاز حروف مقطعات کا ذکر کرتے وقت ہوا ہے، وہاں قرآن کریم کا یہ معمول ہے کہ ان کے بعد قرآن کے متعلق کسی بات کا ذکر فرماتا ہے۔ مثلاً قولہ تعالیٰ '"آلم ذلك الكتبُ لا رَيْبَ فِيهِ "آلم الله لَا إِلهُ إِلَّا هُوَ الْحَىُّ الْقَيُّومُ نَزَّلَ عَلَيْكَ الكتب بالحَقِ " المص كِتَابٌ انْزِلَ إِلَيْكَ، الر تِلْكَ آيَاتُ الْكِتَبِ، طَهَ مَا أَنْزَلْنَا عَلَيْكَ الْقُرْآنَ لِتَشْقى، طسم تلك آيات الكتب، يس والقرآن" "ص والقرآن" "حم تَنزِيلُ الْكِتبِ اور ق والقرآن" مگر تین سورتوں عنکبوت، روم اور ن میں کوئی بات قرآن کے متعلق مذکور نہیں ہوئی ہے۔ اور میں نے اس بات کی حکمت کتاب اسرار التنزیل میں بیان کر دی ہے۔

سوال نمبر29۔اس حدیث پاک کی وضاحت کریں: أُنزِلَ الْقُرآنُ عَلَى سَبْعَةِ أَحْرُفٍ، زَاجِرٍ وَأمِرٍ وَحَلالٍ، وَحَرَامٍ وَمُحْكَمٍ وَمُتَشَابِهٍ. وَمَقَالٍ۔

اس کا معنی ہے: قرآن سات معانی پر نازل کیا گیا، زجر، حلال، حرام، محکم، متشابہ اور حکمتوں پر

معلوم ہونا چاہئے کہ قرآن کا نزول خلقت کی انتہاءاور ہر ایک آغاز شدہ امر کے کمال کے وقت ہونے والا تھا۔اس واسطے وہ اس زیور سے آراستہ کل مخلوقات کے انتہا کا جامع اور ہر ایک امر کے کمال کا مرکز ہوا۔اور اسی لئے رسول اللہ ﷺ عالم کائنات کے قسیم ہیں۔اور قسیم جامع وکامل کو کہتے ہیں اس وجہ سے آپ انبیاء علیہم السلام کے ختم کرنے والے ہوئے اور آپ کی کتاب بھی ایسی ہی خاتم الکتب بنی۔چونکہ معاد کا آغاز آپ کے ظہور ہی کے وقت سے ہوگیا۔اپنے اُن تینوں جوامع کی اصلاح کا استیفاء کر لیا جن کی ابتدائیں اگلے انبیاء اور اقوام کے عہد میں ہو چکی تھیں۔اور ان کا خاتمہ آپ کے وقت مبارک میں ہوگیا۔اور فرمایا"بعثت لاتمم مكارم الاخلاق"،یعنی میں اس واسطے مبعوث کیا گیا ہوں تاکہ اچھی عادتوں کو کمال کے درجہ پر پہنچادوں اور وہ مکارم اخلاق کیا ہیں؟ دنیا، دین اور معاد کی درستی جن کو رسول علیہ السلام کے اس قول نے باہم جمع کر لیا ہے۔ارشاد ہوا اللهمَّ أَصْلِحْ لِي دِينِي الَّذِي هُوَ عِصْمَةُ أَمْرِي وَأَصْلَحُ لِي دُنْيَایَ الَّتِي فِيهَا مَعَاشِي وَأَصْلِحْ لِي آخِرَتِي الَّتِي إِلَيْهَا مَعَادِي اے خدا میرا دین درست کر دے جو کہ میرا بچاؤ کا ذریعہ ہے میری دنیا سدھار دے کہ وہ میری بسر زندگی کا سامان ہے اور میری آخرت بنادے کہ اس کی طرف مجھ کو پھر کر جانا ہے۔اور چونکہ ہر ایک صلاح میں اقیام اور احجام دو باتیں ہوا کرتی ہیں اس واسطے تینوں جامع باتوں کی تعداد دوگنا ہو کر چھ ہوئی اور یہی قرآن کے چھ حروف ہوئے پھر اس کے بعد خداتعالیٰ نے ایک اور جامع ساتواں حرف مرحمت فرمایا جو کہ بالکل فرد ہے اور اس کا کوئی جوڑے وال نہیں اس لئے پورے سات حرف ہو گئے ہیں۔

سوال نمبر30۔سورۃ الاسراء کے تسبیح کے ساتھ اور سورۃ الکہف.کے تحمید کے ساتھ شروع کئے جانے میں کیا حکمت ہے؟

چونکہ تسبیح جہاں کہیں بھی آئی ہے تحمید پر مقدم ہو کر آئی ہے۔اس لیے سورت الاسراء کا آغاز تسبیح جیسے"فَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ"کے ساتھ اور سورت الکھف کا آغاز تحمید کے ساتھ وَ قُلِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ لَمْ يَتَّخِذْ وَلَدًا ہوا ہے۔

ابن الزلکانی نے اس کا یوں جواب دیا ہے کہ"سُبْحَانَ الَّذِي کی سورۃ چونکہ اس اسرائی(رات کی سیر)کے قصہ پر شامل تھی جس کی وجہ سے مشرکین نے نبی ﷺ کو جھٹلایا تھا۔اور رسول اللہ ﷺ کا جھٹلانا بمنزلہ اس کے ہے کہ گویا خداتعالیٰ کو جھٹلایا گیا اس واسطے اُس میں"سبحان"کا لفظ لایا گیا تاکہ اللہ تعالیٰ کی تنزیہ اُس کذب سے ہو جائے جو کہ اُس کے نبی کی جانب منسوب کیا گیا ہے اور سورۃ الکھف کا نزول چونکہ مشرکین کے قصہ اصحاب کہف دریافت کرنے اور وحی کے پوچھے جانے کے بعد ہوا تھا اس واسطے وہ اس بات کو بیان کرتے نازل ہوئی کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی ﷺ اور مومنین سے ہے اپنی نعمت کا سلسلہ منقطع نہیں کیا ہے بلکہ وہ ان پر کتاب نازل فرما کر اپنی نعمت کو تمام اور کامل کرتا ہے لہٰذا اس کا افتتاح الحمد کے ساتھ مناسب ہوا کیونکہ نعمت کا شکر یہ حمد سے ادا ہو سکتا ہے۔

سوال نمبر31۔سورہ فاتحہ،انعام،کھف،سبا اور فاطر کے آغاز میں باہمی مناسبت کیا ہے؟

الجوینی کی تفسیر میں آیا ہے سورۃ الفاتحہ کی ابتدا قولہ تعالیٰ "الْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَلَمِينَ" کے ساتھ ہوئی جس میں یہ وصف ہے کہ خدا تعالیٰ تمام مخلوقات کا مالک ہے۔اور انعام، کھف، سبا اور فاطر کی سورتوں میں خدا کی صفت اس بات کے ساتھ نہیں کی گئی بلکہ اس کی صفات کے افراد میں سے محض ایک ہی فرد کا ذکر کیا گیا ہے اور وہ یہ ہے کہ سورۃ الانعام میں خَلَقَ السَّمٰوَاتِ وَالْأَرْضَ وَالظُّلُمَاتِ وَالنُّور سورۃ الکھف میں"وَانزَلَ الْكِتَبَ، سورۃ سبا میں "مِلكِ مَا فِي السَّمَوَاتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ اور سورۃ الفاطر میں خَلْقِهِم ان دونوں کی تحقیق ہی کے وصف کو بیان کیا ہے تو اُس کی وجہ یہ ہے کہ سورۃ الفاتحہ ام القرآن اور اس کا مطلع ہے لہٰذا مناسب ہوا کہ اس میں بلیغ ترین صفت اور عام اور شامل(کامل)ترین وصف لایا جائے

سوال نمبر32۔ یسئلونك ا ر مرتبہ واو کے بغیر اور تین مقامات پر واو کے ساتھ کیوں آیا ہے؟

کرمانی کی کتاب العجائب میں مذکور ہے کہ اگر کہا جائے کہ **یسئلونك** چار مرتبہ بغیر واؤ کے کیونکر آیا ہے (1) يَسْتَلُونَكَ عَنِ الْأَهِلَّةِ (۲) يَسْتَلُونَكَ مَا ذَا يُنفِقُونَ (۳) يَسْتَلُونَكَ عَنِ الشَّهْرِ الْحَرَامِ اور (۴) يَسْتَلُونَكَ عَنِ الْخَمْرِ اور پھر تین مقاموں پر اُس کو واؤ کے ساتھ کیوں پایا جاتا ہے؟ (1) وَيَسْتَلُونَكَ مَا ذَا يُنفِقُونَ (۲) وَيَسْتَلُونَكَ عَنِ الْيَتَامٰى "اور (۳) وَيَسْتَلُونَكَ عَنِ الْمَحِيضِ تو ہم اس کے جواب میں کہیں گے کہ اُس کی علت پہلے حادثوں سے متفرق طور پر سوال کا واقع ہونا اور آخری حوادث سے ایک ہی وقت میں سوال کا وقوع ہے لہذا آخری سوال کے موقع پر اُسے حرف جمع (واو حرف عطف جو کہ جمع کر دینے کا فائدہ دیتا ہے) کے ساتھ لایا گیا تاکہ وہ ان امور سے اب کے سوال ہونے پر دلالت کرے۔

اعتراض:

پھر اگر کوئی یہ سوال کرے کہ ایک مقام میں "وَيَسْتَلُونَكَ عَنِ الْجِبَالِ فَقُل کیوں آیا ہے؟ حالانکہ قرآن کا دستور ہے کہ وہ جواب میں لفظ "قُل" کو بغیر فا کے لاتا ہے؟

تو اُس کا جواب کرمانی یہ دیتا ہے کہ یہاں تقدیر عبارت " لَوْ سُئِلْتُ عَنْهَا فَقُلْ ہے

اعتراض:

پھر اگر سوال کیا جائے کہ " وَإِذَا سَأَلَكَ عِبَادِی عَنِّی فَإِنِّي قریب کیوں آیا؟ حالانکہ سوال کا معمول یہ ہے کہ قرآن میں اس کا جواب لفظ "قُلْ" کے ساتھ آیا کرتا ہے؟

تو ہم اس کا جواب یہ دیں گے یہاں لفظ "قُل" اس بات کی طرف اشارہ کرنے کے واسطے حذف کر دیا گیا کہ دعا کی حالت میں بندہ ایسے اشرف مقام پر ہوا کرتا ہے جہاں اُس کے اور اُس کے مولا کے مابین کوئی واسطہ (درمیانی) باقی نہیں رہ جاتا اور وہ براہ راست جو کچھ عرض کرتا ہے اُس کا بلا واسطہ جواب پاتا ہے۔

اہم نقطہ:

قرآن میں دو سورتیں ایسی وارد ہوئی ہیں کہ ان دونوں سورتوں کا اول " يَا أَيُّهَا النَّاسُ ہے اور قرآن کے ہر ایک نصف حصہ میں ایسی ایک ایک سورۃ آئی ہے۔ لہذا پہلے نصف قرآن میں جو سورۃ " يَا أَيُّهَا النَّاسُ کے خطاب سے آغاز ہوئی ہے وہ مبدا کی شرح (بیان) پر مشتمل ہے اور نصف ثانی کی سورہ معاد کی شرح (تفصل) پر شامل ہے۔

قرآن مجید کی قسمیں

سوال نمبر1۔ قرآنی قسموں کے متعلق کس عالم نے تصنیف لکھی؟

ابن القیم نے اس بارہ میں ایک مجلد کتاب جداگانہ اور مستقل تصنیف کی ہے جس کا نام تبیان ہے

سوال نمبر2۔ قرآن میں قسم اٹھانے کا کیا مقصد ہے؟

قسم سے خبر کی تحقیق اور اس کی توکید مقصود ہوتی ہے یہاں تک کہ قولہ تعالیٰ " وَاللَّهُ يَشْهَدُ إِنَّ الْمُنَافِقِينَ لَكَاذِبُونَ" کے مانند کلاموں کو بھی قسم قرار دیا ہے اگرچہ اس میں صرف شہادت (گواہی) کی خبر دی وہ ہے اور اس کے قسم قرار دینے کی وجہ اس کا خبر کی توکید کے لئے آنا ہے اس لئے تقسیم کے نام موسوم کیا گیا۔

سوال نمبر3۔ خدا تعالیٰ کے قسم کھانے کے کیا معنی ہیں؟ کیونکہ اگر وہ قسم مومن کو یقین دلانے کے لئے کھائی جاتی ہے تو مومن محض خبر دینے ہی کے ساتھ بغیر قسم کے اُس کی دو تصدیق کرتا ہے۔ اور اگر یہ قسم کافر کے لئے کھائی جاتی ہے تو اُس کے واسطے کچھ بھی مفید نہیں۔

قرآن کا نزول عرب کی زبان میں ہوا ہے اور اہل عرب کا دستور ہے کہ جس وقت وہ کسی امر کی تاکید کا ارادہ کرتے تو قسم اٹھاتے۔

اور ابو القاسم قشیری نے اس اعتراض کا جواب یوں دیا ہے کہ خدا تعالیٰ نے حجت کے تکملہ اور اُس کی تاکید کے واسطے قسم کو ذکر فرمایا ہے اور یہ اس لئے کہ حَکَمْ (پنچایتی یا ثالث) معاملہ اور جھگڑے کا فیصلہ دو ہی امور کے ساتھ کیا کرتا ہے قسم کے ساتھ یا شہادت کے ساتھ۔ لہٰذا خدا تعالیٰ نے اپنی کتاب میں دونوں نوعوں کا ذکر فرمادیا تاکہ منافقین کے لئے کوئی حجت باقی نہ رہ جائے چنانچہ فرمایا شَهِدَ اللهُ أَنَّهُ لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ وَالْمَلَائِكَةُ وَأُولُوا الْعِلْمِ اور ارشاد کیا قُلْ إِيْ وَرَبِّي إِنَّهُ لَحَقٌّ ارادہ کرتے ہیں تو اُس وقت قسم کھایا کرتے ہیں۔

اور کسی اعرابی کی بابت بیان کیا گیا ہے کہ جس وقت اس نے خدا تعالیٰ کا قول" وَفِي السَّمَاءِ رِزْقُكُمْ وَمَا تُوعَدُونَ فَوَرَبِّ السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ إِنَّهُ لَحَقٌّ " سنا تو چیخ پڑا اور کہنے لگا 'وہ کون ہے جس نے پروردگار کو اس قدر غصہ دلایا کہ اسے قسم کھانے پر مجبور بنادیا۔

سوال نمبر3۔ قسم کس نام کے ساتھ اٹھائی جاتی ہے؟

قسم صرف کسی معظم اسم ہی کے ساتھ کھائی جاتی ہے۔

سوال نمبر4۔ قرآن پاک میں اللہ عزوجل نے کس کس مقام پر اپنی ذات کی قسم کھائی ہے؟

اللہ تعالیٰ نے پانچ جگہوں پر قرآن میں اپنی ذات پاک کے ساتھ قسم کھائی ہے ایک تو وہ آیت جو قولہ تعالیٰ "قُلْ إِيْ وَرَبِّي کے ساتھ مذکور ہوگئی۔ دوسری آیت قُلْ بَلَى وَرَبِّي لَتُبْعَثُنَّ(۳)فَوَرَبِّكَ لَنَحْشُرَنَّهُمْ وَالشَّيَاطِينَ(۴)فَوَرَبِّكَ لَنَسْتَلَنَّهُمْ أَجْمَعِينَ(۵)فَلَا أُقْسِمُ بِرَبِّ الْمَشَارِقِ وَالْمَغَارِبِ

سوال نمبر5۔ اللہ عزوجل نے اپنی مخلوقات کے قسمیں کیوں اٹھائی ہیں؟ مثلاً قولہ تعالیٰ "وَالتِّينِ وَالزَّيْتُونِ وَالصَّافَاتِ وغیرہ

اس کی کئی وجوہ ہیں۔ ایک وجہ یہ ہے کہ ان مقاموں میں مضاف حذف کر دیا گیا ہے یعنی ان کی اصل "وَرَبِّ التِّيْنِ وَرَبِّ الزَّيْتُونِ وَرَبِّ الشَّمْسِ عَلَى هَذَا الْقِيَاسِ تھی۔

وجہ دوم یہ ہے کہ عرب کے لوگ ان چیزوں کی تعظیم کیا کرتے اور ان کی قسم کھایا کرتے تھے۔ لہٰذا قرآن کا نزول بھی انہی کی عرف پر ہوا۔

تیسری وجہ جواب کی یہ ہے کہ قسم انہی چیزوں کی کھائی جاتی ہے جن کی قسم کھانے والا تعظیم کیا کرتا ہو۔ حالانکہ وہ چیز اس قسم کھانے والے سے بالاتر ہے اور اللہ تعالیٰ سے بالاتر تو کوئی چیز نہیں ہے اس لئے اُس نے کبھی اپنی ذات پاک کی قسم کھائی ہے اور کبھی اپنی مصنوعات کی قسم کھائی ہے اس لئے کہ وہ مصنوعات باری تعالیٰ کے وجود اور صانع کی ذات پر دلالت کرتی ہے۔

ابن ابی الاصبع نے اسرار الفواتح میں بیان کیا ہے کہ مصنوعات کی قسم کھانا صانع کی قسم کھانے کو لازم لیتا ہے اس لئے کہ مفعول کا ذکر فاعل کے ذکر مستلزم ہے اس لئے کہ بغیر فاعل کے مفعول کا وجود محال مانا جاتا ہے۔

ابن ابی حاتم نے۔ حسن رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ اُنہوں نے کہا" بے شک اللہ پاک اپنی مخلوقات میں سے جس چیز کی چاہے قسم کھا سکتا ہے اور اس کے ساتھ کسی آدمی کے لئے یہ بات بھی درست نہیں کہ اللہ پاک کے سوا دوسری چیز کی قسم کھائے۔

سوال نمبر6۔ اللہ عزوجل نے اپنے نبی صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کی قسم کیوں کھائی ہے؟

علماء کا قول ہے اللہ پاک نے اپنے قول لَعَمْرُكَ میں نبی صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کی قسم کھائی ہے تاکہ اس بات سے لوگوں کو آپ کی عظمت اور مرتبہ کی معرفت حاصل ہو جو کہ آپ کو خدا تعالیٰ کے نزدیک حاصل ہے۔

ابن مردویہ نے ابن عباس کا یہ قول نقل کیا ہے کہ خدا تعالیٰ نے محمد ﷺ سے بڑھ کر کوئی اپنے نزدیک معزز اور مکرم نفس پیدا نہیں کیا ہے اور میں نے سوا اس کے کہ خدا تعالیٰ نے محمد ﷺ کی جان کی قسم کھائی ہے اور اُس کو کسی کی جان کی قسم کھاتے نہیں سنا چنانچہ وہ فرماتا ہے لَعَمْرُكَ إِنَّهُمْ لَفِي سَكْرَتِهِمْ يَعْمَهُونَ.

سوال نمبر7۔ابو القاسم قشیری کے نزدیک قسم کس وجہ سے کھائی جاتی ہے؟

ابو القاسم القشیری کہتا ہے کہ کسی شے کی قسم کھانا دو وجہوں سے خارج نہیں ہوتی۔ یا تو کسی فضیلت کے سبب سے ایسا کیا جاتا ہے اور یا کسی منفعت کے لحاظ سے۔ فضیلت کی مثال ہے قولہ تعالیٰ "وَطُورِ سِينِينَ وَهَذَا الْبَلَدِ الْأَمِينِ اور منفعت کے خیال سے قسم کھائی جانے کی نظیر قولہ تعالیٰ " وَالتِّيْنِ وَالزَّيْتُونَ" ہے۔

سوال نمبر8۔اللہ عزوجل نے قرآن میں کتنی طرح کی قسمیں کھائی ہیں؟

خدا تعالیٰ نے تین چیزوں کی قسم کھائی ہے (۱) اپنی ذات کی آیات سابقہ کے مانند (۲) اپنے فعل کی مثلاً " وَ السَّمَاءِ وَمَا بَنهَا وَالْأَرْضِ وَمَا طَحْهَا وَ نَفْسٍ وَمَا سَوَّاهَا" اور (۳) اپنے مفعول کی قسم کھائی ہے جیسے وَالنَّجْمِ إِذَا هَوَى وَالطُّورِ وَكِتَابِ مَسْطُورٍ"

سوال نمبر9۔قسم ظہر اور قسم مضمر سے کیا مراد ہے؟

قسم یا تو ظاہر ہوا کرتی ہے مثل سابق میں بیان کی گئی آیتوں کے اور یا مضمر ہوتی ہے۔ قسم مضمر کی دو قسمیں ہیں۔ پہلی قسم وہ ہے جس پر قسم کا لام دلالت کرتا ہے جیسے لَتُبْلَوُنَّ فِي أَمْوَالِكُمْ اور دوسری قسم وہ ہے جس پر معنی کی دلالت پائی جاتی ہو جیسے "وَإِنْ مِنْكُمْ إِلَّا وَارِدُهَا" کہ اس میں واللہ لفظ قسم مقدر ہے۔

سوال نمبر10۔قسم کے قائم مقام الفاظ کتنی طرح کے ہوتے ہیں؟

ابو علی فارسی بیان کرتا ہے کہ جو الفاظ قسم کے قائم مقام ہوا کرتے ہیں اُن کی دو قسمیں ہیں۔ ایک تو وہ ہیں جو کہ اپنے سوا دوسرے الفاظ ہی کے مانند ہوں یعنی ان خبروں کی طرح جو کہ قسم نہیں ہوا کرتی ہیں اور ایسے الفاظ کا جواب قسم کے جواب کی طرح نہیں آتا مثلاً قولہ تعالیٰ " وَقَدْ اَخَذَ مِيثَاقَكُمْ إِنْ كُنتُمْ مُؤْمِنِينَ، وَرَفَعْنَا فَوْقَكُمُ الطُّورَ خُذُوا، فَيَحْلِفُونَ لَهُ كَمَا يَحْلِفُونَ لَكُمْ پس یہ اور اس کے مانند باتوں کا قسم ہونا بھی جائز ہے اور یہ بھی جائز ہے کہ حال ہو کیونکہ یہ جواب سے خالی ہے اور قسم میں جواب ضرور آتا ہے۔ اور دوسری جائز قسم وہ ہے جو کہ جواب قسم کے ساتھ ملاتی ہوتی ہے۔ جیسے قولہ تعالیٰ "وَإِذْ أَخَذَ اللَّهُ مِيثَاقَ الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَبَ لَتُبَيِّنَنَّهُ لِلنَّاسِ" اور "وَأَقْسَمُوا بِاللَّهِ جَهْدَ أَيْمَانِهِمْ لَئِنْ أَمَرْتَهُمْ لَيَخْرُجُنَّ.

سوال نمبر11۔قرآن میں محذوف الفعل قسموں کا انداز کیا ہے؟

کسی عالم کا بیان ہے کہ قرآن میں اکثر محذوفۃ الفعل قسمیں واو ہی کے ساتھ آیا کرتی ہیں۔ اور جس وقت باقسم مذکور ہوتا ہے تو اُس کے ساتھ فعل لایا جاتا ہے۔ مثلاً قولہ تعالیٰ " وَ أَقْسَمُوا بِاللهِ" اور "يَحْلِفُونَ بِاللهِ اور فعل کے محذوف ہونے کے ساتھ حرف یا نہی پایا جاتا ہے۔

سوال نمبر 12۔ابن القیم قرآنی قسموں کے بارے کیا فرماتے ہیں؟

ابن القیم کا قول ہے معلوم کرنا چاہئے کہ اللہ سبحانہ و تعالیٰ چند امور کے ساتھ چند امور پر قسم کھایا کرتا ہے۔ سب سے پہلے وہ اپنی ذات مقدسہ کی قسم کھاتا ہے جو کہ اُس کی صفات کے ساتھ موصوف ہے۔ یا اپنی ان نشانیوں کی قسم کھاتا ہے جو کہ اُس کی ذات یا صفات کو مستلزم ہیں۔ اور خدا تعالیٰ کا اپنی بعض مخلوقات کی قسم کھانا اس بات پر دلیل ہے کہ اس کی مخلوقات خدا کی عظیم الشان نشانیوں میں سے ہے۔

سوال نمبر13۔ قسم کس طرح کے جملے پر وارد ہوتی ہے؟

پس قسم یاتوجملہ خبریہ پر وارد ہوا کرتی ہے اور یہ بیشتر ہے مثلاً قولہ تعالیٰ فَوَرَبِّ السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ إِنَّهُ لَحَقٌّ اور یا جملہ فعلیہ پر وارد ہوتی ہے مثلاً قولہ تعالیٰ " فَوَرَبِّكَ لَنُسْأَلَنَّهُمْ أَجْمَعِينَ عَمَّا كَانُوا يَعْمَلُونَ"

سوال نمبر14۔ قرآن پاک میں جواب قسم محذوف ہوتا ہے یا مذکور؟

خداوند سبحانہ وتعالیٰ کبھی قسم کا جواب مذکور فرماتا ہے اور اکثر و بیشتر ایسا ہی ہوتا ہے۔ اور گاہے جواب قسم کو ویسے ہی حذف کر دیتا ہے جس طرح کہ "لو کا جواب اکثر حذف کر دیا جاتا ہے اور اس کی وجہ اُس کا علم حاصل ہونا ہے۔ چونکہ قسم کلام میں بکثرت آنے والی چیز ہے اس لئے وہ مختصر کر دی گئی اور یہ صورت ہوگئی کہ فعل قسم کو حذف کر کے محض حرف با پر اکتفا کر لیا گیا۔ پھر ظاہر اسموں میں حرف با کے عوض حرف واؤ کو اور اسم اللہ تعالیٰ میں حرف تا کو استعمال کیا۔ جیسے قولہ تعالیٰ "تَاللَّهِ لَا كِيدَنَّ أَصْنَامَكُمْ".

ابن القیم کہتا ہے پھر اللہ سبحانہ وتعالیٰ اُن اصول ایمان پر بھی قسم کھاتا ہے جن کی معرفت خلق پر واجب ہے کئی مرتبہ توحید پر قسم کھاتا ہے۔ اور کبھی اس بات پر کہ قرآن حق ہے۔ گاہے رسول کے حق ہونے پر۔ اور کسی وقت جزاء۔ وعد اور وعید پر۔ اور کہیں انسان کے حال پر قسم کھاتا ہے۔

- پس اول یعنی توحید کی مثال ہے قولہ تعالیٰ " وَالصَّافَاتِ صَفًّا ... إِنَّ الهُكُمْ وَاحِدٌ
- امر دوم کی مثال ہے تولہ فَلَا أُقْسِمُ بِمَوَاقِعِ النُّجُومِ وَإِنَّهُ لَقَسَمٌ لَوْ تَعْلَمُونَ عَظِيمٌ وَإِنَّهُ لَقُرْآنٌ كريم
- امر سوم کی مثال ہے تولہ "يٰس وَالْقُرْآنِ الْحَكِيمِ إِنَّكَ لَمِنَ الْمُرْسَلِينَ اور "وَالنَّجْمُ إِذَا هَوَى مَا ضَلَّ صَاحِبُكُمْ وَمَا غوى"
- امر چہارم کی نظیر ہے تو لہ وَالذَّارِيَاتِ إِنَّمَا تُوعَدُونَ لَصَادِقٌ وَإِنَّ الدِّينَ لَوَاقِعٌ اور وَالْمُرْسَلَاتِ ... إِنَّمَا تُوعَدُونَ لَوَاقِعٌ
- امر پنجم یعنی انسان کے حالات کی قسم کھانے کی مثالیں ہیں قولہ تعالیٰ وَاللَّيْلِ إِذَا يَغْشَى إِنَّ سَعْيَكُمْ لَشَتَّى .. اور قوله " وَالْعَدِيتِ إِنَّ الْإِنْسَانَ لِرَبِّهِ لَكَنُودٌ اور قولہ" وَالْعَصْرِ إِنَّ الْإِنْسَانَ لَفِي خُسْرٍ" اور قولہ"وَالتِّينِ . لَقَدْ خَلَقْنَا الْإِنْسَانَ فِي أَحْسَنِ تَقْوِيمٍ اور قوله "لا أُقْسِمُ بِهَذَا الْبَلَدِ وَانتَ حِلٌّ لَقَدْ خَلَقْنَا الْإِنْسَانَ فِي كَبَدٍ

ابن القیم کہتا ہے۔ اور زیادہ تر جواب اسی موقع پر حذف کیا جاتا ہے جہاں خود مقسم بہ میں کوئی دلالت مقسم علیہ پر پائی جاتی ہو کیونکہ ایسی حالت میں حرف مقسم بہ کے ذکر سے مقصد حاصل ہو جاتا ہے اور مقسم علیہ کا حذف کر دینا، بلیغ تر اور ذخیرہ تر ہوا کرتا ہے۔ مثلاً قولہ تعالیٰ " ص وَالْقُرْآنِ ذِي الذِّكْرِ "اس لئے کہ یہاں پر مقسم بہ میں قرآن کی تعظیم اور اُس کا نہایت عمدہ وصف موجود ہے یعنی اُس کے صاحب ذکر ہونے کا وصف جو کہ بندگان خدا کی یاد دہانی اور ان کی ضروریات کے بیان پر شامل ہے۔ اور اس میں قرآن کا ایسا شرف اور اس طرح کا مرتبہ مفہوم ہوتا ہے جو کہ مقسم علیہ یعنی قرآن کے حق اور من جانب اللہ ہونے۔ اور اُس کے غیر مفتری ہونے پر دلالت کر رہا ہے کیونکہ کفار قرآن کو من جانب اللہ نہیں مانتے تھے اور کہتے تھے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اُس کو خود ہی اپنی طرف سے بنا کر پیش کرتے ہیں۔ اور اسی واسطے بہت سے علماء کا قول ہے کہ اس جگہ جواب کی تقدیر" إِنَّ الْقُرْآنَ لَحَقٌّ" ہے۔ اور یہی بات اس کلام کی تمام مشابہ نظیروں میں بھی مطرد ہوتی ہے مثلاً قولہ تعالیٰ "ق وَالْقُرْآنِ الْمَجِيدِ اور قولہ "لا أُقْسِمُ بِيَوْمِ الْقِيمَةِ اثبات معاد پر شامل ہے۔ اور قولہ وَالْفَجْرِ "بہت سے زمانے ہیں جو کہ مناسک اور شعائر حج کے قبیل سے معظم افعال کے ساتھ تعلق رکھتے ہیں۔ اور یہ افعال خالص اللہ تعالیٰ کی عبودیت اور اُس کی عظمت کے سامنے عاجزی اور فروتنی کا اظہار کرنے کے لئے سرزد ہوتے ہیں۔ اور تو ان میں اُن باتوں کی تعظیم بھی ہوتی ہے جن کو محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور ابراہیم علیہ السلام من جانب اللہ لائے ہیں۔ ابن القیم کہتا ہے اور قسم کے لطائف

میں سے قولہ تعالیٰ " وَالضُّحَى وَاللَّيْلِ إِذَا سَجى " ہے۔اس میں اللہ پاک نے اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر انعام اور اکرام فرمانے کی نسبت قسم کھائی ہے۔اور یہ امر اس بات پر شامل ہے کہ گویا خدا تعالیٰ نے رسالت مآب کسی اللہ علیہ وسلم کی تصدیق فرمائی۔اور اس اعتبار ہے وہ آپ کی نبوت کی صحت اور آخرت میں آپ کے جزا پانے پر قسم کھائی گئی۔اور یہ نبوت اور معاد پر قسم کھانا ٹھہرا۔اور یہ بات بھی کہی جاسکتی ہے کہ یہاں اللہ پاک نے اپنی نشانیوں میں سے دو بڑی شان دار نشانیوں کی قسم کھائی ہے۔پھر تم اس قسم کی مطابقت پر غور کرو تو یہ لطف محسوس ہوتا ہے کہ قسم دن کی روشنی ہے جو کہ رات کی تاریکی کے بعد آتی ہے اور مقسم علیہ نور وحی ہے جو کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کچھ زمانہ کے لئے منقطع ہو کر پھر آپ پر چپکا تھا یہاں تک کہ وحی رُک جانے کے زمانہ میں آپ کے دشمنوں نے یہ کہنا شروع کیا کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے پروردگار نے اُن کو چھوڑ دیا ہے۔لہٰذا اب دیکھو کہ خدا تعالیٰ نے رات کی تاریکی کے بعد دن کی روشنی پھیلنے کی قسم اس بات اور ایسے موقع پر کھائی ہے جب کہ وحی کے بند اور محتجب ہو جانے کی تاریکی کے بعد دوبارہ اس کی چمک اور تابش جلوہ فرما ہوئی تھی۔